چہل حدیث

حُسنِ اَخلاق وحسنِ سُلوک

مرتّب

محمد عبید اللہ قاسمی بہرائچی

استاذِ فقہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

چہل حدیث

حسنِ اخلاق و حسنِ سلوک

- خوش خلقی کے فضائل
- انسانیت کے ساتھ حسنِ سلوک
- عزیز واقارب کے ساتھ حسنِ سلوک
- مسلمان بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک
- جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک
- مسکینوں یتیموں بیواؤں کے ساتھ حسنِ سلوک
- بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک
- والدین کے ساتھ حسنِ سلوک
- خدام، ملازمین اور مزدوروں کے ساتھ حسنِ سلوک
- پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک
- اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک
- بدخلقی کی مذمت

مرتّب

محمد عبید اللہ قاسمی بہرائچی

استاذ جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

وسابق متخصّص فی الافتاء دار العلوم دیوبند

کتاب کے جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب ـــــ : چہل حدیث: حسنِ اخلاق وحسنِ سلوک

مرتّب ـــــ : محمد عبید اللہ قاسمی بہرائچی

استاذِ فقہ جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

کمپوزنگ ـــــ : محمد عبید اللہ قاسمی بہرائچی 8273328688

سیٹنگ ـــــ : محمد محسن دیوبند 9045237896-8057239323

سن اشاعت ـــــ : ۱۴۴۴ھ=۲۰۲۳ء

صفحات ـــــ : 88

تعداد ـــــ : 1000

قیمت ـــــ : 100

ملنے کے پتے

مکتبہ صوت القرآن

اور دیوبند کے جملہ کتب خانے

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر
تقریظ: حضرت مولانا مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ	۷
تقریظ: حضرت مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید مجدہم	۹
تقریظ: حضرت مولانا قاری زبیر احمد صاحب دامت فیوضہم	۱۱
عرضِ مرتب	۱۳
حسنِ اخلاق وحسنِ سلوک کی اہمیت وعظمت	۱۶
حسنِ اخلاق کا معنی اور اس کی حقیقت	۷
حسنِ اخلاق قرآن کی روشنی میں	۱۸
حسنِ اخلاق احادیث کی روشنی میں	۲۰
حضور ﷺ کے محاسنِ اخلاق	۲۲
حضور ﷺ کا غیروں کے ساتھ برتاؤ	۲۳
سفرِ طائف میں لوگوں کا برتاؤ اور حضور ﷺ کا طرزِ عمل	۲۵
ایک بدزبان یہودی کا واقعہ	۲۶
عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ	۲۶
عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک	۳۰
باب (۱) خوش خلقی کے فضائل	۳۲
حدیث نمبر (۱)	۳۳
حدیث نمبر (۲)	۳۴

حدیث نمبر(۳) ۳۵
حدیث نمبر(۴) ۳۵
حدیث نمبر(۵) ۳۶
باب(۲)
والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ۳۸
حدیث نمبر(۶) ۳۹
حدیث نمبر(۷) ۴۱
حدیث نمبر(۸) ۴۲
باب(۳)
مسلمان بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ۴۴
حدیث نمبر(۹) ۴۵
حدیث نمبر(۱۰) ۴۶
حدیث نمبر(۱۱) ۴۷
باب(۴)
اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک ۵۰
حدیث نمبر(۱۲) ۵۱
حدیث نمبر(۱۳) ۵۲
حدیث نمبر(۱۴) ۵۳
باب(۵)
بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک ۵۵
حدیث نمبر(۱۵) ۵۶

حدیث نمبر (۱۶) ۵۶
حدیث نمبر (۱۷) ۵۷

باب (۶)
عزیز واقارب کے ساتھ حسنِ سلوک ۵۹

حدیث نمبر (۱۸) ۶۰
حدیث نمبر (۱۹) ۶۱
حدیث نمبر (۲۰) ۶۲
حدیث نمبر (۲۱) ۶۳

باب (۷)
پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ۶۴

حدیث نمبر (۲۲) ۶۵
حدیث نمبر (۲۳) ۶۵
حدیث نمبر (۲۴) ۶۶

باب (۸)
مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ حسنِ سلوک ۶۸

حدیث نمبر (۲۵) ۶۹
حدیث نمبر (۲۶) ۷۰
حدیث نمبر (۲۷) ۷۰

باب (۹)
انسانیت کے ساتھ حسنِ سلوک ۷۲

حدیث نمبر (۲۸) ۷۳

حدیث نمبر(۲۹) ۷۴
حدیث نمبر(۳۰) ۷۵
باب(۱۰)
خدام، ملازمین اور مزدوروں کے ساتھ حسنِ سلوک ۷۶
حدیث نمبر(۳۱) ۷۷
حدیث نمبر(۳۲) ۷۸
حدیث نمبر(۳۳) ۷۹
حدیث نمبر(۳۴) ۷۹
باب(۱۱)
جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک ۸۱
حدیث نمبر(۳۵) ۸۲
حدیث نمبر(۳۶) ۸۲
حدیث نمبر(۳۷) ۸۳
باب(۱۲)
بدخلقی کی مذمت ۸۵
حدیث نمبر(۳۸) ۸۶
حدیث نمبر(۳۹) ۸۶
حدیث نمبر(۴۰) ۸۷
حدیث نمبر(۴۱) ۸۸

تقریظ

حضرت مولانا مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم

استاذ ادب دارالعلوم دیوبند

حامدا ومصلیا ومسلما وبعد!

پیشِ نظر کتابچہ ''چہل حدیث'' احادیث مبارکہ کا ایک وقیع مجموعہ ہے، جس میں ''حسنِ اخلاق وحسنِ سلوک'' کے موضوع پر نہایت معتبر ومستند کتب احادیث سے عرق ریزی کرکے نہ صرف یہ کہ احادیث کو جمع کیا گیا ہے؛ بل کہ ان کی نہایت سادہ اور سلیس زبان میں تشریح بھی کردی گئی ہے۔

''**چہل حدیث**'' کے نام سے ہر زمانے میں علماء ربانیین نے فرمانِ رسول ﷺ

"من حفظ على أمتي أربعين حديثا من أمر دينها بعثه الله في زمرة الفقهاء".

(شعب الايمان للبيهقي، باب في طلب العلم: ۲/ ۲۷۰) پرعمل کرتے ہوئے مختلف تصانیف کی ہیں، کسی نے اصول دین میں سے توحید، کسی نے آداب زندگی، ، تو کسی نے زہدفی الدنیا (دنیا سے بے رغبتی) اور کسی نے معاشرتی مسائل کو پیش نظر رکھ کر چہل حدیث کا مجموعہ تیار کیا؛ چنانچہ **أربعين في التصوف – لمحمد بن حسين أبوعبد الرحمٰن السلمي، أربعين طوال – للإمام بن حسين الدمشقي المعروف بابن عساكر، أربعين بيهقي – للإمام أبوبكر أحمد بن حسين البيهقي، أربعين طائية – للإمام أبي فتوح محمد بن محمد الطائي الهمداني،**

الأربعين الإلٰهية للإمام أبي الحسن علی بن مفضل المقدسي، أربعين عالية للشيخ الحافظ ابن حجر العسقلاني وغیرہ نامی کتابیں بھی تابندہ اور نقوش راہ ہیں۔ جن سے امت مسلمہ کو بہت فائدہ پہنچا، بے شمار افراد کو صحیح سمت ملی، ان کو بامقصد زندگی گزارنے کا طریقہ معلوم ہوا، بے شمار زندگیوں میں انقلاب آیا اور اخروی زندگی کو سنوارنے کے سلسلے میں انھیں حوصلہ بخش پیغام ملا۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور تا قیامت ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ عزیز م محترم جناب مولانا مفتی عبید اللہ صاحب قاسمی بہرائچی سلّمہٗ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سلسلے سے جڑتے ہوئے یہ گراں قدر گلدستہ تیار کیا ہے، عزیز موصوف کے اس کتابچے پر بندہ نے جستہ جستہ نظر ڈالی، اندازہ ہوا کہ یہ تصنیف ان شاء اللہ لوگوں کو حسنِ سلوک واخلاقِ حسنہ سے متصف کرنے اور انھیں سنوارنے میں مؤثر کردار ادا کرے گی اور امت مسلمہ کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہوگی۔

موصوف محترم لائق مبارک باد ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ حق تعالیٰ اس کتابچے کو قبولیت عامہ نصیب فرمائے، مؤلف محترم کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور مزید علمی دینی خدمات کا موقع عنایت فرمائے۔ آمین

۳ رجب المرجب ۱۴۴۴ھ
۲۶ جنوری ۲۰۲۳ء

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید مجدہم

معین مفتی دارالعلوم دیو بند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوالمآ ثر محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی قدس سرہ (م:۱۴۱۲ھ) حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ کی ''شرح اربعین للنووی'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''احادیث نبویہ کے مجموعوں میں ایک قسم وہ ہے جس کو اربعین کہتے ہیں، اس لیے کہ ان میں چالیس حدیثیں مذکور ہوتی ہیں، اس قسم کا سب سے پہلا مجموعہ بقول ملا کاتب چلپی، حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۸۱ھ) نے لکھا اور ان کے بعد اس قسم کی بے شمار تالیفات علم وجود میں آئیں، اس میں سے کم وبیش ستر اربعینوں کو نام بنام ملا کاتب نے کشف الظنون میں ذکر کیا ہے، اربعینات کی اس فہرست کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ وحفاظ نے اربعین کے نام سے کتاب لکھی ہے، اربعین لکھنے کا یہ طویل سلسلہ اور اس باب میں تالیفات کی یہ کثرت محض اتفاقی بات نہیں ہے؛ بلکہ اس کی محرک ایک حدیث نبوی ہے جو چالیس حدیثوں کے لکھنے یا ان کو امت تک پہنچانے کی ترغیب میں وارد ہوئی ہے'' اھ۔ (مقدمہ شرح اربعین نووی، ص:۹)

پھر اربعینات میں سب سے زیادہ مقبولیت شارح مسلم، مشہور محدث وفقیہ اور ولی کامل امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م:٦٧٦ھ) کی ''اربعین'' کو حاصل ہوئی، جس کے مقدمہ میں

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس موضوع پر جتنی روایتیں منقول ہیں، محدثین کی تصریح کے مطابق اگر چہ سب ضعیف ہیں؛ لیکن فضائل اعمال کے باب میں ضعیف حدیثیں بھی لی جا سکتی ہیں، نیز دوسری صحیح روایتوں میں احادیث مبارکہ کو یاد کرنے اور امت تک پہنچانے کی فضیلت آئی ہے، اس لیے ان فضائل کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے چالیس حدیثوں کو منتخب فرمایا۔ (متن الاربعین النوویۃ: ص۱۵/تا۱۷، ضبط وشرح: محمد بسام حجازی، دمشق سوریہ)

اسی قابلِ قدر جذبہ اور محدثین واولیاء اللہ کے بابرکت سلسلہ کے تحت عزیز گرامی جناب مولانا مفتی عبید اللہ صاحب بہرائچی زید علمہ نے حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کے موضوع پر چالیس حدیثوں کا انتخاب کیا ہے، مزید برآں انھوں نے لکھا ہے کہ:

''خاندان کے بعض افراد کی طرف سے یہ اصرار تھا کہ کوئی کتاب ان کے پڑھنے کے لائق مرتب کروں، تو بندہ کے خانۂ خیال میں اول وہلہ یہی بات آئی کہ چہل حدیث کے عنوان سے ایک رسالہ مرتب کر دیا جائے اور اس کا ایسا عنوان منتخب کیا جائے جو معاشرت اور رہن سہن سے متعلق ہو اور جس سے عام لوگوں کو زیادہ فائدہ ہو''۔

مرتب موصوف کا یہ حسنِ انتخاب اور ان کی دینی فکر یقیناً قابلِ قدر اور ان کی ذہانت وفطانت کا عکاس ہے، احادیث کی تشریح میں خود کچھ لکھنے کے بجائے اسی مقصد کے خاطر تصنیف کی گئی مشہور ومستند کتاب ''معارف الحدیث'' سے انتخاب، طبیعت کی سلامتی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس قیمتی رسالہ کو قبول فرما کر اس کا نفع عام وتام فرمائے، خصوصاً مرتب کے اہل خانہ اور پورے خاندان کے حق میں مفید ومثمر بنائے، آمین، یارب العالمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

بندہ محمد مصعب عفی عنہٗ

خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۵/۷/۱۴۴۴ھ

تقریظ

حضرت مولانا قاری زبیر احمد صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ وصدر جمعیۃ علماء ضلع بہرائچ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

عزیزم مفتی عبید اللہ بہرائچی جو اس وقت دارالعلوم حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، انھوں نے درجہ پانچ تک پرائمری، حفظ قرآن اور سوم عربی تک ابتدائی درجات کی تعلیم جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ سے حاصل کی، مرتب سلّمہٗ انتہائی ذہین وفطین اور محنتی طالب علم تھے، ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں بھی تکمیل عربی ادب کے بعد شعبہ افتاء میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کر کے تخصص فی الافتاء کیا۔

موصوف نے چہل حدیث پر مشتمل رسالہ بعنوان ''حسنِ اخلاق وحسنِ سلوک'' ترتیب دیا ہے جو یقیناً باعث فضیلت وبرکت ہے، یہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے؛ بلکہ متقدمین کے زمانہ سے آج تک جلیل القدر علماء واکابر نے چہل حدیث کے عنوان سے مختلف موضوعات پر رسائل ترتیب دیے ہیں، یہ رسالہ بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

بندہ نے اس رسالہ کے مختلف حصوں کا مطالعہ کیا، جو بہت ہی عمدہ اور سلیس زبان پر مشتمل ہے، مرتب سلّمہٗ نے بہت ہی مرتب اور سہل انداز میں رسالہ کو بارہ ابواب پر منقسم کر کے ہر باب کے تحت چند احادیث پیش کی ہیں اور ان کے ترجمے کر کے حدیث کا مفہوم بھی تحریر کیا ہے، خاص بات یہ ہے کہ حدیث کی تشریح میں اکثر مواقع پر ''معارف الحدیث''

اور بعض مقامات میں ''مظاہر حق'' کی تشریحات کو بعینہ نقل کیا ہے، جس سے رسالہ کے حسن میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو دربار عالی میں قبول فرمائے، نافع اور مفید بنائے اور عزیزم مفتی عبید اللہ سلّمہٗ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ان کو مزید علمی خدمات کا موقع عنایت فرمائے۔ آمین

زبیر احمد قاسمی
جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ
۲۸/ جمادی الاخری، ۱۴۴۴ھ
۲۱/ جنوری، ۲۰۲۳ء

❑❖❑

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلاۃ والسّلام علی سیّد المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، أمابعد.

جس طرح علماء امت اور محدثین کرام نے ہر زمانہ اور ہر دور میں احادیث کی حفاظت اور ترویج واشاعت کے لیے مختلف حیثیتوں سے عظیم الشان کارنامے انجام دیے، جس کے نتیجے میں امت کو گراں قدر وبیش بہا سرمایہ ملا، اسی طرح علماء ومشائخ امت نے ماحول اور امت کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے ''اربعین'' نامی کتابچے اور رسالے بھی مرتب کیے، جس میں انھوں نے کسی ایک یا مختلف موضوعات پر چہل حدیث (چالیس احادیث) جمع کیں ہیں۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو اس میدان میں اولیت کا شرف حاصل ہے، اس کے علاوہ علامہ نوویؒ نے اپنی ''الاربعین'' میں محمد بن اسلم الطّوسی، ابوبکر آجری، ابوبکر الاصفہانی، امام دارقطنی، ابوعبداللہ الحاکم، امام ابوبکر البیہقی اور امام ابوبکر الصابونی وغیرہ بڑے علماء کا ذکر فرمایا ہے جنھوں نے اربعین کا اہتمام کیا ہے اور یہ سلسلہ آج تک علماء امت میں جاری وساری ہے۔

اوران سب کے پیش نظر اس فضیلت کو حاصل کرنا تھا جو آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ایسی چالیس حدیثیں پہنچائیں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت کو نفع بخشا، تو اس سے کہا جائے گا کہ جس دروازہ سے چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (حلیۃ الاولیاء:۱۸۹/۴، ط:

دارالکتب العلمیہ بیروت) دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ایسی چالیس حدیثیں پہنچائیں جو ان کے دین میں نفع دیں، وہ شخص قیامت کے دن علماء اور فقہاء کی جماعت میں اٹھایا جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی، فصل فی فضل العلم، رقم:۱۵۹۶، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع الریاض)

اس طرح کی اور بھی روایات مختلف طرق سے مروی ہیں جن میں چہل حدیث سے متعلق فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ بندہ نے بھی علماء اعلام کی اقتداء میں اس فضیلت کو حاصل کرنا باعث سعادت سمجھا، نیز خاندان کے بعض افراد کی طرف سے بھی یہ اصرار تھا کہ کوئی کتاب ان کے پڑھنے کے لائق مرتب کروں، تو بندہ کے خانہ خیال میں اول وہلہ یہی بات آئی کہ چہل حدیث کے عنوان سے ایک رسالہ مرتب کر دیا جائے اور اس کا ایسا عنوان منتخب کیا جائے جو معاشرت اور رہن سہن سے متعلق ہو اور جس سے عام لوگوں کو زیادہ فائدہ ہو۔ اس پس منظر میں بندہ نے ''حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک'' کے موضوع پر یہ کتابچہ مرتب کیا ہے جس میں موضوع سے متعلق چالیس چھوٹی چھوٹی احادیث ہیں، اور ان میں درج ذیل امور کا لحاظ کیا گیا ہے:

(۱) اولاً موضوع کی اہمیت وفضیلت پر ایک مختصر سا مضمون ہے۔

(۲) احادیث کو بارہ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔

(۳) ہر باب سے پہلے اس باب پر مختصر سی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۴) ہر حدیث کا سلیس ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۵) ہر حدیث کی تشریح معارف الحدیث اور مظاہر حق سے نقل کی گئی ہے۔

(۶) تمام احادیث تخریج شدہ ہیں۔

بندہ اس موقع پر استاذ گرامی قدر حضرت مولانا مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم استاذ دارالعلوم دیوبند اور مشفق استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید مجدہم معین مفتی دارالعلوم دیوبند کا بہت ہی شکر گزار ہے کہ ان حضرات نے بندہ پر شفقت فرما کر

حقیر سی درخواست کوقبول فرمایا اوراپنے قیمتی کلمات کے ذریعہ بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کودین ودنیا کی تمام سعادتوں اورنعمتوں سے سرفراز فرمائے۔

نیز بندہ حضرت مولانا قاری زبیر احمد صاحب دامت فیوضہم مہتمم جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ وصدر جمعیۃ علماء ضلع بہرائچ کا بہت ہی ممنون ہے کہ حضرت نے اپنے گراں قدر تقریظ کے ذریعہ اس کتاب کے حسن میں مزید اضافہ فرمایا۔اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ ہم سب کے سروں پرتادیر قائم فرمائیں۔

اخیر میں بندہ اپنے والدین اوران تمام اساتذہ کا شکر گزار ہے جن کی توجہات اور شفقتوں کی بدولت بندہ کچھ لکھنے کے قابل ہوسکا، اللہ ہمارے سروں پران سب کا سایہ تادیر قائم فرمائے،صحت وتندرستی عطا فرمائے اور بندہ کی اس مختصر سی کاوش کوشرف قبول عطاءفرمائے۔آمین

محمد عبیداللہ قاسمی بہرائچی
استاذ فقہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد
وسابق متخصص فی الافتاء دارالعلوم دیوبند
۵/رجب،۱۴۴۴ھ-۲۸/جنوری ۲۰۲۳ء

❑❖❑

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسنِ اخلاق وحسنِ سلوک کی اہمیت وعظمت

انسانی زندگی میں حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کو جو اہمیت وعظمت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے، ہر مذہب اور ہر دھرم کے لوگ؛ بلکہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان اچھے اخلاق وکردار اور اچھے برتاؤ کا قائل ہے اور یقیناً کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اخلاقی خوبیوں کو حاصل کرنا فطرت انسانی کا بہت اہم تقاضہ ہے؛ بلکہ بنیادی اور لابدی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان میں انسانیت اور حسن وخوبی نہیں آتی، یہی وہ عظیم اور قابلِ قدر جوہر ہے جس کے ذریعہ معاشرے میں آپسی بھائی چارہ، اتحاد واتفاق، پیار ومحبت، الفت وانس، عفو ودرگزر، رفق ونرمی اور توافق وہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے اور اسی طاقت کے ذریعہ آپسی اختلاف وانتشار، باہمی چپقلش ورنجش، نفرت وبعد، بڑی سے بڑی عداوت ودشمنی، بغض وکینہ، اور ہر طرح کے تضادات دُور کیے جاسکتے ہیں، حسنِ اخلاق درحقیقت انسان کا زیور اور اس کا حسن وخوبصورتی ہے، اسی کے ذریعہ اجتماعی وانفرادی زندگیوں میں توازن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کے دلوں پر فتح حاصل کی جاتی ہے؛ جبکہ بدخلقی اور بدسلوکی سے تمام برائیاں: نفرت وعداوت، اختلاف وانتشار باہمی چپقلش ورنجش وغیرہ جنم لیتی ہیں اور اخلاق سے عاری ہوجانے کے بعد انسان لوگوں کی نظر میں عیب دار ہوجاتا ہے، اس کے پاس کوئی قابلِ قدر شی اور کوئی ایسی امتیازی صفت باقی نہیں رہتی جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرے، گویا حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ اور عظیم اَثاثہ ہے۔

حسنِ اخلاق کا معنی اور اس کی حقیقت:

آج کل لوگوں نے حسنِ اخلاق کے مفہوم کو بہت محدود اور خاص کر دیا ہے اور وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ حسنِ اخلاق کا مطلب صرف لوگوں سے خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ ملنا، مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرنا، مسکرا کر بات کر لینا اور ہمدردی کے الفاظ کہہ دینا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اپنے اندر پوری انسانی زندگی کو سمیٹے ہوئے ہے، وہ صرف مذکورہ چیزوں ہی کو شامل نہیں ہے؛ بلکہ اس کے بہت سے شعبے ہیں: شیریں و میٹھے بول، عفو و درگزر، رفق ونرمی، شفقت و مہربانی، انس ومحبت، اکرام واعزاز، حلم وبردباری، حیا وشرم، وسعت ظرفی وسخاوت، صلہ رحمی وحاجت روائی، تعاون وامداد، صبر وشکر، متانت وسنجیدگی، عدل وانصاف، امانت ودیانت، ماں باپ، بھائی بہن، عزیز واقارب، بیوی بچے، یتیموں مسکینوں، پڑوسی، مسلمان اور غیر مسلم حتی کہ جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک وحسن معاملہ وغیرہ، یہ تمام حسنِ اخلاق کے شعبے ہیں جن کی شریعت مطہرہ میں تعلیم دی گئی ہے اور ان تمام شعبوں میں اچھا رویہ اختیار کرنے والا ہی اچھے اخلاق کا حامل اور اس عظیم صفت سے متصف کہلانے کا مستحق ہوگا۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اخلاق کے مفہوم میں وسعت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''آج کل عرف عام میں ''اخلاق'' کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی دوسرے سے خندہ پیشانی سے پیش آئے، مسکرا کر اس سے ملے اور نرمی سے بات کر لے، ہمدردی کے الفاظ اس سے کہہ دے، بس اسی کو اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ شریعت کی نظر میں ''اخلاق'' کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے، اس مفہوم میں بیشک یہ باتیں بھی داخل ہیں کہ جب انسان دوسرے سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے، اظہار محبت کرے اور اس کے چہرے پر ملاقات کے وقت بشاشت ہو، نرمی کے ساتھ گفتگو کرے؛ لیکن ''اخلاق'' صرف اس

طرزِ عمل میں منحصر نہیں ہے؛ بلکہ ''اخلاق'' درحقیقت دل کی کیفیات کا نام ہے، دل میں جو جذبات اٹھتے ہیں اور جو خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں، ان کا نام اخلاق ہے۔ پھر اچھے اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے جذبات میں اچھی اور خوشگوار باتیں پیدا ہوتی ہوں اور برے اخلاق کے معنی معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں خراب جذبات اور غلط خواہشات پیدا ہوتی ہوں''۔

(اصلاحی خطبات: ۸۵/۱۵، میمن اسلامک پبلشر کراچی)

حسنِ اخلاق قرآن کی روشنی میں:

اور حسنِ اخلاق کی قدر و قیمت اس وقت مزید دو چند و دوبالا ہو جاتی ہے جب ہم اسے اسلام اور شریعت کی نظر سے دیکھتے ہیں؛ کیوں کہ قرآن واحادیث میں اس کی بڑی اہمیت وارد ہوئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وإِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ [القلم: ۴] ترجمہ: اور بیشک آپ (ﷺ) اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔ (بیان القرآن) اس آیت میں اللہ رب العزت نے دین اسلام، شریعت مطہرہ اور قرآنی تعلیمات کو خلق عظیم فرمایا ہے، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی ایک ایک آیت کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ خلق سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ آپ کا خلق خود قرآن ہے یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال واخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرما دیے تھے۔

(معارف القرآن: ۵۳۲/۸، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

اسی طرح جب صحابہ -رضی اللہ عنہم- سے غزوۂ احد میں مقررہ اور متعینہ جگہ چھوڑنے کی جو خطا اور لغزش صادر ہوئی، جس کی وجہ سے جنگ کی فتح شکست سے بدل گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اور جسمانی تکلیف بھی پہنچی اور غم اور صدمہ بھی لاحق ہوا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر اپنے طبعی اخلاق وعادات اور عفو کرم کی بنیاد پر کوئی ملامت اور سختی نہیں کی، آپ -ﷺ- کی اسی شان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران، ۱۵۹] ترجمہ: بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپؑ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے، سو ان کو معاف کر دیجیے، آپؐ ان کے لیے استغفار کیجیے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے (تاکہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو جائے)۔ [بیان القرآن] آپ ﷺ کے اس حسنِ اخلاق، عفو ودرگزر اور نرم مزاجی کی وجہ سے صحابہ کو آپ ﷺ سے اور زیادہ محبت اور انسیت ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ [الأعراف: ۱۹۹] ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ معافی کو اختیار کیجیے، بھلی باتوں کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [المائدۃ: ۱۳] ترجمہ: تو آپ (ﷺ) ان کو معاف کیجیے اور درگزر سے کام لیجیے، بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ [النور: ۲۱] ترجمہ: اور چاہیے کہ لوگ معاف کریں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ أَصَابَکَ إِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾ [لقمان: ۱۷] ترجمہ: اور صبر کیجیے ان (تکالیف اور مصیبتوں) پر جو آپ کو پیش آئیں، بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمحْسِنِیْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۴] ترجمہ: اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عفو ودرگزر کرنے کا حکم فرمایا ہے، صابرین اور کاظمین غیظ کی تعریف فرمائی ہے اور اسے ہمت کے کاموں میں سے بتایا ہے اور یہ سب حسنِ اخلاق کے مختلف شعبے ہیں۔

حسنِ اخلاق احادیث کی روشنی میں:

حضور ﷺ کے نزدیک حسنِ اخلاق کی اتنی اہمیت تھی کہ آپ ﷺ مجسم اخلاق ہونے کے باوجود اپنے لیے حسنِ اخلاق کی دعائیں کیا کرتے تھے: "اللّٰهُمّ أَحْسَنْتَ خَلْقِيْ فَأَحْسِنْ خُلُقِيْ" (رواہ احمدفي المسند، ۱/ ۴۰۳) ترجمہ: اے اللہ تو نے میری اچھی تخلیق فرمائی ہے، تو میرے اخلاق بھی سنوار دے۔ اور بدخلقی سے بچنے کی بھی توفیق مانگتے تھے اور یہ دعا کرتے: "اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ." (رواہ الترمذي، رقم الحدیث: ۳۵۹۱) ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بُرے اخلاق، بُرے اعمال اور بری خواہشات سے۔

آپ ﷺ نے متعدد احادیث میں بھی حسنِ اخلاق کی اہمیت وفضیلت کو امت کی تعلیم کے لیے بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إنّ من أخیرکم أحسنکم خلقا". (رواہ البخاري، رقم: ۶۰۲۹) ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص

ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے۔
(ترمذی، رقم: ۲۰۱۸)

ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "**إنّ المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم**". (رواه أبوداؤد، باب في حسن الخلق، رقم: ٤٧٩٨)
ترجمہ: مؤمن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے درجہ کو حاصل کرلیتا ہے۔

امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں اخلاق کے بیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ذکر کی ہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس قبیلہ طیء کے قیدی لائے گئے، تو ایک قیدی لڑکی نے کھڑے ہوکر کہا: اے محمد (ﷺ)! اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے چھوڑ دیں اور قبائل عرب کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں؛ کیوں کہ میں اپنے قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ بیشک میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا، قیدیوں کو آزاد کرتا تھا، بھوکوں کو سیر کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا، سلام کو عام کرتا تھا اور کسی ضرورت مند کو کبھی واپس نہیں کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے لڑکی! یہ سچے ایمان والوں کی صفت ہے۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ضرور ہم اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے۔ (فرمایا) اس لڑکی کو آزاد کردو؛ کیوں کہ اس کا باپ اچھے اخلاق کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ بھی اچھے اخلاق کو پسند فرماتے ہیں۔ حضرت ابو بردہ بن دینار رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جنت میں صرف اچھے اخلاق والا ہی داخل ہوگا۔
(احیاء العلوم: ۴/۱۳۷، ط: دار المنہاج السعودیۃ جدۃ)

اس طرح کی اور بہت سی روایتیں ہیں (جو آگے چہل حدیث میں آرہی ہیں) جن میں اعلیٰ اخلاق اور بہترین سلوک کی تعلیم اور ترغیب دی گئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں خلق حسن کو میزان قیامت میں سب سے بھاری اور وزنی چیز کہا ہے، کہیں کمال ایمان کے لیے شرط قرار دیا ہے، کہیں اچھے اخلاق والے کو محبوب اور مقرب ترین بندہ کہا ہے، کہیں روزہ دار اور پوری رات عبادت کرنے والے کے برابر درجہ بتایا ہے، کہیں اچھے اخلاق اپنانے والے پر جہنم کی آگ حرام قرار دی ہے اور کہیں عفو درگزر پر دخول جنت کا وعدہ فرمایا ہے وغیرہ۔ الغرض مختلف انداز اور اسلوب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق اور عمدہ برتاؤ کی تعلیم دی ہے کہ امت اس عظیم صفت کو اپنائے اور اسے اپنی زندگی کا جزء لاینفک بنائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر فعل اور عمل سے بھی امت کو خوش خلقی اور حسنِ معاشرت کا سبق اور درس دیا ہے۔

حضور ﷺ کے محاسنِ اخلاق:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اخلاقِ حسنہ، حسنِ معاشرت، عمدہ طرز زندگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اچھے برتاو اور حسنِ سلوک کا عمدہ نمونہ اور عملی پیکر ہے، حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ حسنہ کی تعلیم، ترویج واشاعت اور اس کی دعوت وتبلیغ کو اپنی بعثت کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے فرمایا: "**بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الأَخْلَاقِ**" (الموطا للإمام مالك، ص: ٧٠٥) یعنی میری بعثت ہی اس لیے ہوئی ہے کہ میں حیات انسانی میں اخلاقِ حسنہ کے فضائل کی تکمیل کروں اور اسے کمال اور عروج پر پہنچاؤں؛ چنانچہ آپ -ﷺ- نے امت کو اخلاقِ فاضلانہ وکریمانہ سے متصف اور مزین کرنے کے لیے عملی نمونہ بھی پیش کیا اور مختلف مواقع پر قولی تعلیم بھی دی۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "احیاء العلوم" میں حضور ﷺ کے بہت سارے محاسنِ اخلاق کو بڑے ہی عمدہ انداز میں بیان کیا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

''آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ بردبار، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ انصاف پسند، سب سے زیادہ پاکدامن اور سب سے زیادہ سخی تھے، یہاں تک کہ کوئی رات ایسی نہیں آتی جس میں آپ ﷺ کے پاس کوئی درہم ودینار بچتا ہو (رات آنے سے پہلے ہی سب خرچ کرڈالتے تھے) اور اگر کبھی کچھ درہم یا دینار بچ جاتا اور اسی حالت میں رات آجاتی تو آپ ﷺ اس وقت تک گھر تشریف نہ لے جاتے جب تک اسے کسی ضرورت مند کو دے کر فارغ نہ ہوجاتے۔ آپ ﷺ اتنے باحیا تھے کہ اپنی نظریں کسی چہرے پر نہیں جماتے تھے، خود ہی اپنا نعل مبارک سی لیتے، کپڑوں میں پیوند خود ہی لگا لیا کرتے، گھریلو کام کاج میں بیویوں کا تعاون فرماتے، غلام اور آزاد سب کی دعوت قبول فرماتے، ہدیہ قبول فرماتے خواہ دودھ کا ایک گھونٹ ہو یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہو، باندیوں اور مسکینوں کی حاجت روائی میں تکبر نہیں فرماتے، ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں تشریف لے جاتے، فقراء کے ساتھ بیٹھتے، مسکینوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، مزاح فرماتے؛ لیکن سچ بولتے، ہنستے؛ لیکن قہقہہ نہ لگاتے، بااخلاق لوگوں کی عزت کرتے، کسی پر ظلم نہ کرتے، معذرت خواہ کا عذر قبول فرماتے، کسی کو حقیر نہ جانتے اور نہ ہی کسی پر برتری اختیار فرماتے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس میں تمام محاسن اور خوبیاں جمع کردی تھیں''۔

(المستفاد: احياء العلوم، ٧١١/٤، ط: دارالمنهاج السعودية جدة)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل مکہ کی تکالیف اور مصیبتوں کی وجہ سے ہجرت کے لیے رخت سفر باندھا اور مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل مقامِ قباء میں چند روز قیام کرکے آگے کے لیے روانہ ہوئے اور راستہ میں محلّہ بنی سالم پہنچ کر پہلا جمعہ ادا کیا اور

فصاحت و بلاغت سے بھر پو جو خطبہ دیا، اس خطبہ کو مولانا ادریس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ ''سیرت المصطفیٰ'' میں نقل کرنے کے بعد میں نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ ہے جو آپ نے ہجرت کے بعد دیا، تیرہ سالہ مظلومانہ زندگی کے بعد جو خطبہ دیا جا رہا ہے، اس میں ایک حرف بھی اپنے دشمنوں کی مذمت اور شکایت کا نہیں، سوائے تقوی اور پرہیزگاری اورآخرت کی تیاری کے کوئی لفظ لسان نبوت سے نہیں نکل رہا ہے، بے شک آپ ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ کے مصداق تھے۔صلی اللہ علیہ وسلم وبارک وترحم''۔(۴۰۵/۱، دارالکتاب دیوبند)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیروں کے ساتھ برتاؤ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنوں سے تو پیار ومحبت اور شفقت وہمدردی کے ساتھ ملتے ہی تھے، جس کی بے شمار مثالیں ہیں، غیر بھی آپ کے رحم وکرم، عفو ودرگزر اور خوش خلقی سے محروم نہ رہے۔اس کی ایک عظیم مثال فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا کفار مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان کرنا ہے؛ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ انداز میں شان وشوکت کے ساتھ داخل ہوئے، تو کفار ومشرکین جنھوں نے ہر قدم پر آپ کو اور آپ کے صحابہ کو تکلیفیں پہنچائی تھیں، جو آپ کے جانی دشمن تھے، آپ کے قتل کی تدبیریں اور سازشیں کرتے تھے اور جنھوں نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، وہ سہمے ہوئے تھے، انھیں سزائے موت کا یقین تھا اور صحابہ-رضی اللہ عنہم- نے بھی یہی خیال کر رکھا تھا ''الیوم یوم الملحمة'' آج بدلے کا دن ہے، آج جوشِ انتقام کو سرد کرنے کا دن ہے؛ لیکن تاریخ نے دیکھا اور اسے نوٹ کیا کہ رحمت دو جہاں کے پیکر اور محسن انسانیت -ﷺ- کی شفقت نبوی جوش میں آئی اور زبان رسالت سے یہ اعلان کر دیا ''**لاتثریب علیکم الیوم واذهبوا فأنتم الطلقاء**'' کہ جاؤ آج تم سب آزاد ہو، تمھیں معاف کر دیا گیا، تم پر کوئی جرم نہیں ہے اور تم سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔یہ

تھا آپ-صلی اللہ علی وسلم- کا جانی دشمنوں کے ساتھ برتاؤ اور حسنِ سلوک، جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز وقاصر ہے اور اس سلوک اور برتاؤ کی وجہ سے فتح مکہ کے موقع پر بکثرت لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ع

سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو معاف فرمایا

سفرِ طائف میں لوگوں کا برتاؤ اور حضور ﷺ کا طرزِ عمل:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت وتبلیغ کے لیے طائف کا سفر کیا اور وہاں کے سرداروں کو توحید کی دعوت دی تو وہ لوگ بڑی بے رخی اور ذلت کے ساتھ پیش آئے، پھر آپ ﷺ نے اور لوگوں سے بھی گفتگو فرمائی؛ لیکن انھوں نے بجائے قبول کرنے کے یہ کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ انھوں نے شہر کے اوباش لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ کا مذاق اڑائیں، تالیاں بجائیں اور پتھریں ماریں، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہوگئے، ان سب کے باوجود حضور ﷺ نے ان کو غلط نہیں ٹھرایا، ان کو برا بھلا نہیں کہا؛ حتیٰ کہ جب پہاڑوں کا فرشتہ آپ کے پاس تشریف لایا اور سلام کے بعد عرض کیا: اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا جو سزا آپ تجویز فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے عقاب اور سزا تجویز نہیں کی؛ بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے، تو ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں، جو اللہ کی پرستش اور عبادت کریں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ فضائل اعمال میں سفرِ طائف کا قصہ تفصیلاً نقل کرنے کے بعد فائدہ کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ ہیں اخلاق اس کریم ذات کے جس کے ہم لوگ نام لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے، کسی کے معمولی سی گالی دے دینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اس کا بدلہ نہیں اترتا، ظلم پر ظلم اس پر کرتے رہتے ہیں اور دعوی کرتے

ہیں اپنے محمدی ہونے کا، نبی کے پیرو بننے کا، نبی کریم ﷺ اتنی سخت تکلیف اور مشقت اٹھانے کے باوجود نہ بددعا فرماتے ہیں نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں''۔

(فضائلِ اعمال:۱/۲۳، ط:ادارہ دینیات ممبئی)

ایک بدزبان یہودی کا واقعہ:

زید بن سعنہ یہودی سے کسی موقع پر آپ ﷺ نے قرض لیا تھا، وہ یہودی وقت مقررہ سے تین دن پہلے ہی قرض کا تقاضہ کرنے لگا اور بڑی گستاخانہ انداز میں شانہ مبارک سے چادر کھینچتے ہوئے بدزبانی شروع کردی اور کہنے لگا تم بنی عبدالمطلب بڑے وعدہ خلاف ہو۔ اس کی بدکلامی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے، ان سے برداشت نہیں ہوا، انھوں نے جھڑک کر اسے روکنا چاہا، تو حضور ﷺ نے انھیں روک کر فرمایا: اے عمر! تم نے ہم دونوں سے وہ طرزِ عمل نہیں اختیار کیا جو ہونا چاہیے تھا، مناسب یہ تھا کہ تم اسے جھڑکنے کے بجائے مجھے اداءِ قرض اور وعدہ پورا کرنے کی تلقین کرتے، اور اسے حسنِ طلب اور نرمی سے تقاضا کرنے کی ہدایت کرتے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ یہودی کا قرض ادا کریں اور اسے مزید بیس صاع جو دیں۔

اس طرزِ عمل اور عفوودرگزر کو دیکھ کر یہودی بہت متاثر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہودی کہا کرتا تھا کہ نبی آخرالزماں میں مجھے ساری نشانیاں معلوم تھیں؛ لیکن دو باتوں کو میں نے آزمایا نہیں تھا: ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصہ سے زیادہ ہے، دوسرے یہ کہ ان پر جتنی سختی کی جائے اتنی ہی نرمی اور مہربانی بڑھتی چلی جاتی ہے، ان دو علامتوں کو بھی میں نے دیکھ لیا، اب آپ کی رسالت پر مجھے کوئی شک نہیں۔ (مستفاد: المہذب:۴/۲۱۷۸)

عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ:

سیرت ابنِ ہشام میں پورا قصہ ابن اسحاقؒ کے حوالے سے مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ

ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مذہب عیسائیت کے پیروکار تھے، اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور قبیلہ بنی طے سے ایک چوتھائی مالِ غنیمت وصول کر کے گزر بسر کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب کسی نے مجھے محمد بن عبداللہ (حضور ﷺ) کے بارے میں بتایا، تو ان کا نام سنتے ہی مجھے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ اور جب ان کی فوجیں مدینہ کے اِردگرد علاقوں میں نکلنے لگیں، تو مجھے فکر ہونے لگی اور میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا: تیرا بھلا ہو! میرے لیے موٹے تازے تیز رفتار اونٹوں کا ایک گلہ تیار رکھنا، جوں ہی محمد (ﷺ) کے لشکروں کی خبر پہنچے، مجھے مطلع کر دینا۔ ایک دن وہ دوڑتا بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا: محمد (ﷺ) کے لشکر آ گئے ہیں، یہ سنتے ہی میں اہل وعیال کو اونٹ پر بٹھا کر اور ضروری ساز وسامان لے کر ملک شام کی جانب اس خیال سے چل دیا کہ وہ میرے ہم مذہب ہیں اور اس بھگدڑ میں میری بہن سفانہ پیچھے رہ گئی جو روانگی کے وقت کسی ضروری کام سے کہیں گئی ہوئی تھی۔

اسلامی فوج بنو طے کو شکست دے کر بہت سی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مدینہ لے گئی، ان قیدیوں میں میری بہن سفانہ بنت حاتم بھی تھی اور ان سب کو مسجد کے قریب احاطہ میں رکھا گیا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے، تو وہ کھڑی ہوگئی اور کہا: "**یـــا رسـول الـلّٰـه! هـلـک الـوالد وغاب الوافد فامنن عليّ من اللّٰه عليک**" یعنی یارسول اللہ! میرا باپ فوت ہوگیا اور سرپرست بچھڑ گیا، آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ پر احسان فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہارا سرپرست کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: عدی بن حاتم۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے دُور بھاگتا ہے؟ یہ کہہ کر آپ ﷺ چلے گئے، دوسرے دن بھی جب بھی آپ ﷺ کا قیدیوں کے پاس سے گزر ہوا، تو مذکورہ سوال وجواب ہوئے اور تیسرے دن جب سفانہ بنت حاتم نے درخواست دہرائی تو حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے تم پر احسان کیا اور تم سب کو آزادی دے دی ہے، جاتے وقت انھوں نے آپ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے جوڑا عنایت فرمایا، سواری اور سفرخرچ وغیرہ دے کر اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اپنی بہن کے حوالے سے بہت پریشان تھا اور اسی فکر میں رہتا تھا، ایک دن وہ شام کے قافلے کے ساتھ میرے پاس ملک شام میں آ پہنچی اور پہنچتے ہی مجھے کوسنا شروع کر دیا کہ قطع رحمی کرنے والے ظالم تو نے اپنے بال بچوں کے ساتھ راہ فرار اختیار کر لی اور اپنے باپ کی بیٹی اور اس کی عزت کو چھوڑ آیا۔ معافی تلافی کے بعد میں نے اس سے پوچھا: تم نے اس شخص (محمد ﷺ) کو کیسا پایا اور اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا میری رائے یہ ہے کہ تم فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اگر یہ شخص اللہ کا نبی ہے، تو اس کی جانب جلدی جانا باعث فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہے، تو لوگوں کی قدر کرنا جانتا ہے، اس کے یہاں عزت والوں کو ذلیل نہیں کیا جاتا اور تمہارا مقام ومرتبہ ہر ایک جانتا ہے۔

میں نے اس کی رائے پر مدینہ کا رخ کیا، مدینہ پہنچا تو حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام کیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم طائی۔ آپ ﷺ نے میرا پرجوش استقبال کیا اور مجھے اپنے گھر لے گئے، راستے میں ایک کمزور بوڑھی عورت نے انھیں روک لیا، آپ ﷺ دیر تک اس کی باتیں سنتے رہے اور وہ اپنی مشکلات اور ضروریات بیان کرتی رہی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: خدا کی قسم یہ بادشاہ تو نہیں ہیں۔ پھر گھر پہنچ کر آپ ﷺ نے کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا چمڑے کا گدا میری طرف بڑھایا اور فرمایا: اس کے اوپر بیٹھ جاؤ، میں نے کہا: نہیں، آپ اس پر تشریف رکھیں، مگر آپ نے حکم دیا: تم اس پر بیٹھو، میں گدے پر بیٹھ گیا اور رسول اللہ ﷺ زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ اب میں نے پھر دل میں کہا: خدا کی قسم یہ تو بادشاہوں والا معاملہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! کیا تو رکوسی (ایک مذہبی گروہ) فرقہ سے تعلق نہیں رکھتا؟ میں کہا: جی ہاں! میں رکوسی ہوں۔ آپ ﷺ کا دوسرا سوال تھا: کیا تم اپنی قوم سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ وصول نہیں کرتے تھے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وصولی تمھارے دین کے مطابق حلال نہ تھی؟ میں نے کہا: جی! آپ کا فرمان

درست ہے۔ اب میں بخوبی جان گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں؛ کیوں کہ جو باتیں عربوں کو بالکل معلوم نہیں تھیں، آپ ان سے واقف ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک چبھتا ہوا سوال پوچھا کہ اے عدی! شاید دین اسلام میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہے کہ مسلمانوں کی مالی حالت بہت کمزور ہے؟ خدا کی قسم مال ودولت کی ایسی فراوانی ہوگی کہ دینے والے سبھی ہوں گے اور لینے والا کوئی نہ ہوگا اور شاید یہ بات بھی مانع ہو کہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم ہیں اور پوری دنیا ان کی دشمن ہے؟ خدا کی قسم دین کا غلبہ اس طرح ہوگا کہ تو سنے گا اور دیکھے گا کہ ایک خاتون زیورات سے لدی پھندی تن تنہا اپنے اونٹ پر سوار ہوکر قادسیہ سے سوار ہوگی اور حج بیت اللہ کے لیے مکہ کا سفر کرے گی اور اسے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اے عدی! ممکن ہے کہ تو نے سوچا ہو دنیا میں بہت سے بادشاہ اور سلاطین ہیں اور ان لوگوں میں کوئی تاجدار نہیں ہے۔ بخدا تو سن لے گا کہ بابل کے سفید محلات ان لوگوں کے ہاتھوں فتح ہوجائیں گے، قیصر وکسری ہلاکت سے دوچار ہوں گے اور کوئی کسری پھر اس تخت پر نہ بیٹھے گا۔

عدی کہتے ہیں یہ سن کر میں نے اسلام قبول کرلیا اور وہ کہا کرتے تھے کہ: میں نے دو باتیں دیکھ لی ہیں: بابل کے محلات بھی فتح ہو چکے ہیں اور قادسیہ سے تنہا سفر کرنے والی عورت بھی میں نے دیکھی ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری بات بھی ضرور پوری ہوگی اور صدقہ وخیرات لینے والا کوئی نہ ہوگا۔

(مستفاد: سیرت ابنِ ہشام، قدوم عدی بن ابی حاتم: ۴/۲۲۰، ط: دار الکتاب العربی)

اس پورے واقعہ پر نظر ڈالیں تو اس میں حضور ﷺ کے حسنِ اخلاق کی حسین اور خوبصورت تصویر موجود ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ کی بہن کے ساتھ کیسا اچھا برتاؤ کیا کہ انھیں صرف آزاد ہی نہیں کیا؛ بلکہ اعزاز واکرام کے ساتھ جوڑا عنایت فرما کر اور سواری اور سفر خرچ کا انتظام کر کے رخصت کیا، پھر حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی آمد پر ان کا پرجوش استقبال کیا اور صرف اتنا ہی نہیں؛ بلکہ انھیں اپنے گھر لے گئے اور خود

زمین پر بیٹھ کر انھیں گدے پر بٹھایا۔ آپ ﷺ کے انھیں اخلاق اور برتاؤ سے متاثر ہوکر انھوں نے اسلام کا دامن تھاما۔

عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک:

گھر والوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ کا طریقہ کار اور رویہ مثالی اور لا ثانی تھا، گھر والوں کی ضروریات کا خیال رکھتے، ان کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، جھاڑو لگا دیا کرتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود کرتے؛ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو معمولات کے بارے میں پوچھا گیا، تو انھوں نے بتایا کہ: وہ اپنے سر سے جوئے نکالتے ہیں، اپنی بکری کا دودھ دوہتے ہیں، اپنے کپڑے سی لیتے ہیں، اپنی خدمت خود کر لیتے ہیں، اپنے جوتے سی لیتے ہیں اور وہ تمام کام کرتے ہیں جو مرد اپنے گھر میں کرتے ہیں، وہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو چھوڑ کر چلے جاتے۔ (ترمذی، رقم الحدیث:۲۴۸۹)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں۔

(ترمذی، کتاب المناقب، رقم الحدیث:۳۸۹۵، ط: بیت الافکار الدولیۃ)

ایک اور روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں۔

(مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، رقم الحدیث:۱۴۶۸)

الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر طرح کے افراد کے ساتھ حضور ﷺ کے حسنِ اخلاق اور عمدہ حسنِ معاشرت کی مثالیں بھری پڑی ہیں؛ حتیٰ کہ بے زبان جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک کی تعلیم دی ہے اور مختلف قسم کی احادیث میں آپ ﷺ نے امت کو بھی اسی کی تعلیم دی ہے؛ چنانچہ اسی تعلیم کی بدولت اور مسلمانوں کے عمدہ اخلاق

اور حسنِ معاشرت کو دیکھ کر بے شمار لوگ دامنِ اسلام میں داخل ہوئے، اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور یہ ایک بدیہی اور واضح حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں اسلام کی نشر واشاعت میں اچھے اخلاق کا بڑا کردار اور بہت اہم رول رہا ہے؛ لیکن بدقسمتی سے آج مسلمانوں کے اندر سے یہ صفت بالکل معدوم سی ہوگئی ہے۔ تاجر ہو یا کاشتکار، ڈاکٹر ہو یا انجینئر، استاد ہو یا شاگرد، ملازم ہو یا نوکر، مزدور ہو یا مستری اور مرد ہو یا عورت سبھی کسی نہ کسی درجہ میں بداخلاقی کا شکار ہیں؛ جبکہ حسن خلق فطری تقاضہ ہونے کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا بھی بہت اہم حصہ ہے اور بے شمار فضائل قرآن واحادیث میں خوش خلقی پر وارد ہوئے ہیں۔ دوسری طرف غیروں کے اخلاق، سلوک اور رویے میں نسبتاً بہت بہتری ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ؛ بلکہ مسلمان بھی غیروں کی دکانوں پر سامان لینے کے لیے جانا اور ان سے معاملات کرنا پسند کرتے ہیں، جبکہ مسلمانوں کی بدخلقی کی وجہ سے مسلمان بھی ان کی دکانوں سے کتراتے ہیں اور ان سے معاملات کرنا گوارہ نہیں کرتے؛ چنانچہ غیر لوگ ترقی کرتے جا رہے اور مسلمان محنت کرنے کے باوجو بھی دن بدن پستی کی طرف جا رہے ہیں۔

اور مسلمانوں کی اسی بدخلقی، فریب، دھوکہ دہی، خیانت اور معاملات وغیرہ میں صفائی نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام سے بدظن ہو رہے ہیں، گویا مسلمان اسلام کی طرف دعوت دینے کے بجائے جانے انجانے لوگوں کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن رہے ہیں اور یہ کتنی بڑی بدنصیبی اور کتنا بڑا جرم ہ!!۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اور تمام امت مسلمہ کو خوش خلقی، حسنِ اخلاق، حسن معاملہ، صلہ رحمی، وسعت ظرفی اور حسنِ معاشرت جیسی عظیم صفات سے متصف ومزین فرمائے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسے اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❑❖❑

باب(۱)

خوش اخلاقی کی اہمیت وفضائل

خوش اخلاقی انسان کا زیور ہے جو انسان کو آراستہ وپیراستہ کرتی ہے، اچھے اخلاق ہی کے ذریعہ انسان میں انسانیت اور حسن وخوبی آتی ہے اور جانوروں سے ممتاز ہوکر اس کا شمار انسانوں میں ہوتا ہے، یہی وہ عظیم اور قابلِ قدر جوہر ہے جس کے ذریعہ معاشرے میں آپسی بھائی چارہ، اتحاد واتفاق، پیار ومحبت، الفت وانس، عفوودرگزر، رفق ونرمی اور توافق وہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے اور معاشرے کو حسین اور خوبصورت بنایا جاسکتا ہے؛ جب کہ اخلاق سے عاری اور بد اخلاق شخص معاشرے اور سماج پر بوجھ سمجھا جاتا ہے، ایسے شخص کو جانوروں سے تشبیہ دی جاتی ہے اور لوگ اس سے بعد اور دوری اختیار کرتے ہیں۔

اور ایک مسلمان اور مؤمن بندے کے لیے حسنِ اخلاق اس وجہ سے اور زیادہ اہم ہوجاتا ہے کہ یہ اسلام اور شریعت کی تعلیم ہے، قرآن واحادیث میں اس کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں، متعدد موقعوں اور مناسبتوں پر اور مختلف افراد کے اعتبار سے حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، جس کی تفصیل آگے متعدد ابواب کی احادیث میں آرہی ہے۔

سلام اس پر کہ سمجھایا سلیقہ جس نے جینے کا
سلام اس پر کہ بتلایا طریقہ جس نے جینے کا
سلام اس پر کہ جس کا خلق عالی ہے مثالی ہے
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو معاف فرمایا

حدیث نمبر (۱)

عنْ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أنَّه بَلَغَهُ أنّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ". (الموطا للإمام مالك الاعظمي، ما جاء في حسن الخلق، رقم الحديث: ۳۳۵۷)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اچھے اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (**ویزکیھم**) اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ میں اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا؛ کیوں کہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں، تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گزرے گی اور دوسروں کے لیے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا۔ اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں، تو خود بھی زندگی کے لطف ومسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بےمزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم اور آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں؛ لیکن مرنے کے بعد والی ابدی زندگی اور ان دونوں کے نتیجے ان سے زیادہ بدرجہا اہم نکلنے والے ہیں،

آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے"۔ **اللّٰھمّ احفظنا منه**

آگے مذکورہ حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جزء ہے"۔ (معارف الحدیث:۲/۱۰۷، ۱۱۰، دارالاشاعت کراچی پاکستان)

حدیث نمبر (۲)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ. (رواه أبو داؤد، باب في حسن الخلق:٣/٣٠٩، رقم: ٤٧٩٨، مكتبة المعارف الرياض)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مؤمن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے درجہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مؤمن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسنِ اخلاق کی دولت نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو؛ لیکن پھر بھی اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے ان شب بیداروں عبادت گزاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔ (معارف الحدیث:۲/۱۰۸، دارالاشاعت کراچی پاکستان)

حدیث نمبر (۳)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا". (رواه أبوداؤد، باب في رد الإرجاء، رقم الحديث: ٤٦٨٢، مكتبة المعارف الرياض)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علی ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق؛ بلکہ کسی عمل کا حتی کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لیے ایمان بمنزلہء روح اور جان کے ہے، اس لیے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے؛ بلکہ اخلاق کی صورت ہے؛ اس لیے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ (معارف الحدیث:۱۰۸/۲، دارالاشاعت کراچی پاکستان)

حدیث نمبر (۴)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِ ﷺ قَالَ: "اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ".

(رواه البخاري، باب طيب الكلام، رقم الحديث: ٦٠٢٣، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے۔

فائدہ: حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب اس حدیث کہ تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دراصل یہ طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث کو بھی روایت کیا ہے اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔ع

دل بدست آور کہ حج اکبر است

(معارف الحدیث: ۱۵۳/۲، دارالاشاعت کراچی پاکستان)

حدیث نمبر (۵)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَايُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لا يُعْطِيْ عَلَى مَاسِوَاهُ.

(رواه مسلم، باب فضل الرفق، رقم الحديث: ۲۵۹۳، ط: دارإحياء التراث العربي بيروت)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے اور نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ خود بھی نرم ومہربان ہے اور ان کو ایسے امور کا مکلّف نہیں قرار دیتا جو ان کی قوت برداشت سے باہر ہوں اور جن کی وجہ سے وہ دشواریوں اور سختیوں میں مبتلا ہوں اور بندوں کے تیئں بھی اس بات کو پسند کرتا ہے اور اس سے راضی وخوش ہوتا ہے کہ وہ آپس میں نرمی ومہربانی کریں اور ایک دوسرے کو سختیوں اور دشواریوں میں مبتلا نہ کریں) اس لیے وہ نرمی ومہربانی پر وہ چیز عطا فرماتا ہے جو درشتی وسختی پر عطا نہیں فرماتا اور نرمی ومہربانی پر جو چیز عطا کرتا ہے وہ نرمی ومہربانی کے علاوہ کسی بھی چیز پر عطا نہیں فرماتا۔ (مظاہر حق جدید)

فائدہ: ''اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے اور نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے'' کے ذریعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نرمی ومہربانی کو پسند کرنا خود بندوں

کے اس مفاد ومصالح کے پیشِ نظر ہے کہ آپس میں نرمی ومہربانی اور شفقت ومروت کے جذبات کوفروغ دینا ایک ایسی خوبی ہے جس کے ذریعہ معاشرہ کو مطمئن وپرسکون اور انسانی زندگی کو مختلف پریشانیوں اور بے چینیوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے؛ چنانچہ جس معاشرہ کے افراد اپنے تمام امور میں ایک دوسرے سے نرم خوئی اور مہربانی ومروت کا برتاؤ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو سختیوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے سے اجتناب کرتے ہیں اور باہمی معاملات کو آسانی وسہولت کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں اور ان امور ومعاملات کا تعلق خواہ حصولِ معاش (جیسے تجارت، ملازمت اور محنت مزدوری وغیرہ) سے ہو یا اس کے علاوہ معاشرتی زندگی کے کسی بھی پہلو سے ہو، تو اس معاشرہ کا ہرفرد اپنے آپ کو فلاح یاب وبامراد محسوس کرتا ہے اور پورے معاشرہ پر حق تعالیٰ کی طرف سے خیر وبرکت اور اس کی نعمتوں کا نزول ہوتا ہے، چنانچہ "**ویعطی علی الرفق الخ**" (وہ نرمی ومہربانی پر وہ چیز عطا فرماتا ہے الخ) کے ذریعہ نہ صرف یہ ترغیب دلائی گئی کہ اپنے امور ومعاملات میں باہمی طور پر نرمی ومہربانی اختیار کروتا کہ حصول مقصد کو پہنچ سکو؛ بلکہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ جو لوگ سختی ودرشتی کے بجائے نرمی ومہربانی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، ان کو حق تعالیٰ اجر وثواب عطا فرماتا ہے اور مقاصد میں کامیاب وکامران کرتا ہے۔

''اور اور نرمی ومہربانی پر جو چیز عطا کرتا ہے......الخ'' یہ جملہ ماقبل عبارت کے مفہوم کو ایک دوسرے انداز میں بیان کررہا ہے، یعنی پہلے تو نرمی ومہربانی کو سختی ودرشتی پر ترجیح دی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب اور حصولِ مقاصد کی جو نعمت نرمی ومہربانی اختیار کرنے پر ہوتی ہے وہ سختی ودرشتی اختیار کرنے کی صورت میں عطا نہیں ہوتی اور پھر آگے اس جملے کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ نرمی ومہربانی اپنی ضد یعنی سختی ودرشتی ہی پر نہیں؛ بلکہ حصول مقصد کے اور دوسرے اسباب وسائل پر بھی ترجیح وفضیلت رکھتی ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۵/۵۹۹، مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند)

❑❖❑

باب (۲)

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

دنیا میں ہر شخص پر اگر کسی کا سب سے زیادہ احسان ہے، تو وہ اس کے والدین ہیں، جنھوں نے اپنی اولاد کی طرف سے پیش آنے والی ہر مصیبت اور تکلیف کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور اس کی پیدائش سے لے کر وفات تک ہر ضرورت، دکھ بیماری، تعلیم وتعلُّم، شادی بیاہ اور اس کی تمام کامیابیوں اور ہر خیر اور بھلائی کے لیے اپنی ہر طرح کی قربانی پیش کی اور کوئی کسر نہیں چھوڑی، اسی وجہ سے قرآن واحادیث میں جا بجا والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ ایک موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہے اور اس کے بعد فرمایا: ''اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں، سو ان کو کبھی ہوں بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرمایئے جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا پرورش کیا''۔

واضح رہے کہ ماں کا کردار اور اس کی قربانیاں بچے کی پرورش اور نشو ونما میں باپ سے بھی زیادہ ہیں۔ اسی وجہ سے جب ایک صحابی نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ لوگوں میں حسنِ سلوک کا زیادہ حقدار کون ہے، تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ ماں کا تذکرہ کیا اور چوتھی مرتبہ میں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم فرمایا۔ (رواہ البخاری، رقم: ۵۹۷۱) اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث (۶)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوْکَ. (رواه البخاري: باب من أحقّ الناس بحسن الصحبة، رقم الحديث: ۵۹۷۱، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمھاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تمہارا باپ۔

فائدہ: اس دنیا کے معاشرہ کی صلاح وفلاح دراصل باہمی حقوق کی نگہداشت، تعلق وقرابت کی پاسداری، ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان وبھلائی کے برتاؤ اور حسنِ سلوک میں فرق مراتب کے احساس پر منحصر ہے۔ شریعت اسلامی کا تقاضہ ہے کہ انسان اس دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ جس تعلق وقرابت کا رشتہ رکھتا ہے اور اس تعلق وقرابت میں جو فرق مراتب ہے، ادائیگی حقوق اور حسنِ سلوک کے باہمی معاملات میں اس کا لحاظ ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ قرابت کے اعتبار سے ماں کا رشتہ سب سے زیادہ گہرا اور اس کا تعلق سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے؛ لہٰذا کسی شخص کے احسان وحسنِ سلوک اور خدمت گزاری کی سب سے زیادہ مستحق جو ذات ہوسکتی ہے وہ ماں ہے، ماں کے بعد باپ ہے اور پھر دوسرے قریبی رشتے دار؛ لیکن ان قرابتی اور رشتہ داروں میں بھی تعلق وقرابت کے درجات ومراتب کی رعایت کی جائے گی کہ جو رشتہ دار اپنے رشتہ کے اعتبار

سے زیادہ نزدیک اور قریب ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ مقدم رکھا جائے گا۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کے الفاظ سے ایک مسئلہ یہ اخذ کیا ہے کہ کسی شخص پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کرنے پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں ماں کا حصہ باپ سے تین گنا بڑھا ہوا ہے؛ کیوں کہ وہ حمل کا بوجھ اٹھاتی ہے، ولادت کی تکلیف ومشقت اور دودھ پلانے کی محنت برداشت کرتی ہے۔

فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اولاد پر ماں کا حق باپ سے بڑا ہے اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک وبھلائی اور اس کی خدمت ودیکھ بھال کرنا زیادہ واجب اور زیادہ ضروری ہے اور اگر ایسی صورت میں پیش آ جائے جس میں بیک وقت دونوں کے حقوق کی ادائیگی دشوار ہوجائے مثلاً ماں باپ کے درمیان کسی وجہ سے ان بن ہو اور لڑکا اگر ماں کے حقوق کی رعایت کرتا ہے تو باپ ناراض ہوتا ہے اور اگر باپ کے حقوق کا لحاظ کرتا ہے تو ماں آزردہ ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں یہ درمیانی راہ نکالی جائے کہ تعظیم واحترام میں تو باپ کے حقوق کو فوقیت دے اور خدمت گزاری نیز مالی امداد وعطا میں ماں کے حقوق کو فوقیت دے۔

ماں باپ کے حقوق کی فہرست بہت طویل ہے؛ بلکہ ان کے مرتبہ ودرجہ کو دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اولاد اگر اپنی پوری زندگی بھی ان کے حقوق کی ادائیگی میں صرف کردے تب بھی ان کے تئیں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، تاہم شریعت نے کچھ چیزیں ایسی بیان کردی ہیں جو زیادہ اہمیت کی ہیں اور جن کا لحاظ بہت ضروری ہونا چاہیے۔ مثلاً سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ ان کی جائز خواہشات کی تکمیل اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کو لازم جانا جائے اور ان کی رضا وخوشنودی کو اپنے حق میں ایک بڑی سعادت سمجھی جائے، اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق ان کی ضروریات اور ان کے آرام وراحت میں اپنا مال واسباب خرچ کیا جائے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے جو ان کی شان کے مطابق ہو، اولاد ان کے سامنے تواضع وانکساری اختیار کرے، ان کے سامنے

ملائمت ونرمی اور خوشامدی وعاجزی کا رویہ اپنائے اور جہاں تک ہوسکے ان کی خدمت کرے تا آنکہ وہ راضی اور خوش ہوں، ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے؛ لیکن اطاعت وفرمانبرداری انھیں امور میں کی جانی چاہیے جو مباح ہوں، ان کے ساتھ کوئی ایسا رویہ نہیں اپنانا چاہیے جس سے ان کی شان میں بے ادبی وگستاخی ظاہر ہوتی ہو اور نہ ان کے ساتھ تکبر وانانیت کے ساتھ پیش آنا چاہیے خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں، بات چیت کے وقت اپنی آواز کو ان کی آواز سے اونچی نہ کرنا چاہیے اور نہ ان کا نام لے کر ان کو یاد و مخاطب کرنا چاہے۔ کسی کام میں ان سے پہل نہ کرنا چاہیے اور نہ ان کے مقابلہ پر خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اسی طرح اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر والدین غیر شرعی امور کے مرتکب ہوں تو ان کے سامنے امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے وقت بھی ادب واحترام اور نرمی وملائمت کی راہ اختیار کی جائے اور ایک دفعہ کہنے پر وہ باز نہ آئیں تو پھر سکوت اختیار کر لیا جائے اور ان کے حق میں دعا واستغفار کرتے رہنا چاہیے، یہ بات قرآن کریم کی اس آیت سے اخذ کی گئی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنے باپ کے سامنے نصیحت وموعظت کا ذکر ہے۔

(مظاہر حق جدید: ۵/۵۰۰، ۵۰۱، مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند)

حدیث (۷)

عَـنْ أَبِـيْ أُمَـامَةَ رَضِـيَ الـلّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُوْ لَ اللّٰهِ! ماَ حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلٰى وَلَدِ هِمَا؟ قَالَ: هُمَا جَنَّتُكَ وَ نَارُكَ. (مشكاة المصابيح، باب البر والصلة، رقم الحديث: ٤٩٤١، المكتب الاسلامي بيروت)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ سے پوچھا یارسول اللہ! اولاد پر والدین کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ

تمھاری جنت اور دوزخ ہیں۔

فائدہ: یعنی اللہ کی نظر میں والدین کا درجہ اتنا بلند ہے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ، حسنِ سلوک، ان کی فرمانبرداری اور خدمت جنت میں جانے کا ذریعہ ہے؛ جبکہ اس کے برعکس والدین کی نافرمانی، ان کا دل دکھانے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔ حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری وخدمت گذاری کروگے اور ان کو راضی رکھوگے، تو جنت پالوگے اور اس کے برعکس اگر ان کی نافرمانی اور ایذاءرسانی کرکے انہیں ناراض کروگے اور ان کا دل دکھاؤگے، تو پھر تمہارا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔

(معارف الحدیث: ۲۸۲/۶، دارالاشاعت کراچی پاکستان)

حدیث (۸)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِ ﷺ قَالَ: رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، قِيْلَ: مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم، باب رغم من أدرك أبويه، رقم الحديث: ۲۵۵۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی ذلیل وخوار ہو، پھر ذلیل وخوار ہو، پھر ذلیل وخوار ہو! عرض کیا گیا یارسول اللہ! کون (ذلیل وخوار ہو)؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور حسنِ سلوک سے ان کا دل خوش کرکے) جنت میں داخل نہ ہو۔

فائدہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث اوپر درج ہوچکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ تمھاری جنت اور تمھاری دوزخ ہیں (یعنی ماں باپ کی خدمت اور

راحت رسانی جنت حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اوراس کے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذاءرسانی آدمی کودوزخی بنادیتی ہے) پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی عمر کوپہنچ کے اذکار رفتہ ہوجائیں تو اس وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں اوراس حالت میں ان کی خدمت اللہ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہنچنے کا سیدھا زینہ ہے۔پس اللہ تعالیٰ جس بندے کواس کا موقع میسر فرمائے اور وہ ماں باپ کا یادونوں میں سے کسی ایک ہی کا بڑھاپا پائے اور پھران کی خدمت کر کے جنت تک نہ پہنچ سکے، بلاشبہ وہ بڑا بدنصیب اور محروم ہے اورایسوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فرمانا ہے کہ وہ نامراد ہوں، ذلیل وخوار ہوں، رسوا ہوں۔

(معارف الحدیث:۲۸۲/۶، دارالاشاعت کراچی پاکستان)

❑❖❑

باب (۳)

مسلمان بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

ویسے تو دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ انسانیت کا رشتہ ہے اور بحیثیت انسان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ہر ایک کے ساتھ حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کا معاملہ کریں؛ کیونکہ حضور ﷺ تمام انسانیت کے لیے رحمت بن کر آئے اور یہی شریعت کا حکم بھی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے؛ لیکن اسلام اور ایمان کی بنیاد پر شریعت نے تمام مسلمانوں کو ایک رشتے میں جوڑ دیا ہے اور وہ ہے اسلامی اور ایمانی اخوت کا رشتہ یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا دینی بھائی ہے؛ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو خود اس پر ظلم وزیادتی کرے اور نہ ہی اس کو بے یار مددگار چھوڑے (کہ اس پر کوئی ظلم کرے) اور جو کوئی اپنے ضرورتمند بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرمائے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کو تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا''۔ (بخاری)

اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئے، اس کے دکھ درد میں شریک ہو اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں میں اس کا خیال رکھے اور بے یار ومددگار نہ چھوڑے۔ اور مسلمانوں کی آپسی بھائی چارگی اور باہمی مودت ومحبت اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ اس امت پر نبی اکرم ﷺ کے نیابت کی ذمہ داریاں بھی ہیں اور اس کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب دنیا کے تمام مسلمان دینی اخوت کی بنیاد پر متحد رہیں اور ان کے دل ایک دوسرے سے جڑے رہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے۔

حدیث نمبر (۹)

عَنْ أنسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِي ﷺ قَالَ: لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُم حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه البخاري، باب من الإيمان أن يحبّ لأخيه ما يحب لنفسه، رقم الحديث: ١٣، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

فائدہ: ''چیز'' سے مراد دنیا وآخرت کی بھلائی ہے، چنانچہ ایک روایت میں ''من الخیر'' کا لفظ صریح طور پر منقول ہے۔ رہی بات کہ دنیا وآخرت کی بھلائی کا تعلق کن چیزوں سے ہے تو آخرت کی بھلائی یہ ہے کہ نیک اعمال اور اچھے احوال کی سعادت نصیب ہو، خاتمہ بخیر ہو، قبر کی سختیوں، قیامت کے دن باز پرس اور دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل ہو، اپنے اعمالِ صالحہ کے سبب سے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں اعلیٰ درجات ملیں اور خدا اور خدا کے رسول کی خوشنودی حاصل ہو۔ اسی طرح دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ عزت وآبرو اور نیک نامی وخوش حالی کی زندگی نصیب ہو، مال ودولت اور اسباب راحت حاصل ہوں، اچھے احوال وکردار کے حامل اہل خانہ اور صالح وفرماں بردار اولاد کی نعمت ملے اور یہ سب چیزیں آخرت کا وسیلہ بنیں، جو مسلمان دنیا وآخرت کی ان نعمتوں اور بھلائیوں کو اپنے لیے چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ انھیں دنیاوی واخروی نعمتوں اور بھلائیوں کو سارے مسلمانوں کے لیے چاہے کیوں کہ یہی کمال ایمان بھی ہے اور دینی اخوت کا تقاضہ بھی۔ (مظاہر حق جدید: ۵۳۲/۵، مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند)

حدیث نمبر (۱۰)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِي ﷺ قَالَ: المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ. (رواه البخاري، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، رقم الحديث: ۱۰، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

فائدہ: زبان سے تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ کسی کا مذاق اڑائے، توہین کرے، تہمت لگائے، گالی دے، بُرا بھلا کہے وغیرہ اور ہاتھ سے تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ کسی کو ظلماً مارے، کسی کا ناحق مال لے لے وغیرہ۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''یعنی نہ اس کی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے اور نہ اس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ گویا کہ اس حدیث میں مسلمان کی پہچان بتائی کہ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جس میں یہ صفت پائی جائے؛ لہٰذا جس مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ نہ رہیں، حقیقت میں وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ جیسے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کوئی مفتی اس پر کفر کا فتوی تو نہیں لگائے گا کہ یہ شخص چوں کہ نماز نہیں پڑھتا؛ لہٰذا یہ کافر ہوگیا؛ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں؛ اس لیے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے سب سے اہم فریضے کو انجام نہیں دے رہا ہے، اسی طرح جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے لوگوں کو تکلیف پہنچے تو اس پر بھی اگرچہ مفتی کفر کا فتوی نہیں لگائے گا؛ لیکن وہ حقیقت میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے، اس لیے کہ وہ مسلمانوں والا کام نہیں کر رہا ہے۔ یہ اس حدیث کا مطلب ہے''۔ (اصلاحی خطبات: ۱۰۳/۸، ۱۰۴، میمن اسلامک پبلیشرز)

حدیث نمبر (۱۱)

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِم كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكىٰ عُضْوًا تَدَاعىٰ لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى. (رواه البخاري، باب رحمة الناس والبهائم، رقم الحديث: ۶۰۱۱، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت ومہربانی کرنے میں انسانی جسم کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بے خوابی اور بخار میں اس کے شریک حال ہوتے ہیں۔

فائدہ: یعنی جس طرح انسان کے کسی عضو میں تکلیف ہو، تو وہ تکلیف صرف اسی عضو کو نہیں ہوتی؛ بلکہ پورے جسم کو پہنچتی ہے اور پورا جسم بے چین اور مضطرب رہتا ہے، ایسے ہی ایک مسلمان کی تکلیف پر دنیا کے تمام اہل ایمان کو تکلیف ہونی چاہیے؛ اس لیے کہ دنیا کے تمام اہل ایمان اس مسلمان بھائی کے لیے جسم کے مختلف اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، کالا ہو یا گورا، اونچی ذات کا ہو یا نیچی ذات کا، مالدار ہو یا غریب، حاکم ہو یا رعایا اور وہ کسی بھی ملک کا ہو سب ایک جسم کے مختلف اعضاء ہیں) یعنی اہل ایمان میں باہم ایسی الفت ومحبت اور رحمدلی اور ہمدردی کا جذبہ ہونا چاہیے کہ اگر دنیا کے کسی بھی کونے میں کوئی بھی مسلمان کسی تکلیف اور مصیبت میں ہے تو سب کو اس تکلیف کا احساس ہو، سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اس کے دکھ درد میں شریک ہوں اور اس کی پریشانی اور مصیبت کو دُور کرنے کی فکر کریں۔

مظاہر حق میں مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے مؤمن کی صفتِ اتحاد ویگانگت کی

طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی جذبہ وتعلق ایسا ہوسکتا ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کو رنگ ونسل کے بھید بھاؤ، زبان وکلچر کے اختلاف وتفاوت اور ذات وقبائل اور علاقہ کی تفرقہ بازی سے نجات دلا کر ایک انسانی برادری اور اتحاد وگانگت کی ایک لڑی میں پروسکتا ہے تو وہ صرف ایمان واسلام کا تعلق ہے؛ چنانچہ اہل ایمان جہاں بھی ہوں جس رنگ ونسل سے بھی تعلق رکھتے ہوں اور ان کی زبان ومعاشرت میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو؛ لیکن انسان اور مؤمن ہونے کی حیثیت سے وہ ایک ہیں اور ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے درمیان کوئی اونچ نیچ نہیں ہے، کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے اور کسی برتری وکمتری کی نفرت وحقارت نہیں ہے، وہ جس عقیدہ کے حامل اور جس نظریۂ حیات کو ماننے والے ہیں اس کی روشنی میں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تمام انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، تمام انسان ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں، اگر وہ کڑیاں الگ الگ ہوجائیں تو زنجیر ٹوٹ کر رہ جائے گی، اسی طرح اگر مسلمان تفرقہ بازی کا شکار ہوجائیں اور رنگ ونسل، زبان وکلچر اور ذات پات کے دائرے میں سمٹ جائیں تو ان کے ملی وجود اور ان کی اجتماعی طاقت کو انتشار واضمحلال کا گھن لگ جائے گا۔ اور جب ان کی اجتماعی حیثیت مجروح ہوکر غیر مؤثر ہوگی تو ان کا شخصی وانفرادی وجود بھی نہ صرف بے معنی ہوجائے گا؛ بلکہ ہر شخص مختلف آفات ومصائب کا شکار ہوگا۔ اور چوں کہ ملی وجود اور اجتماعی طاقت کا سرچشمہ افراد کا آپس میں محبت وموانست اور اشخاص کا باہمی روابط وتعلق ہے، اس لیے ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے اس طرح ربط وتعلق رکھتا ہے جس طرح دو حقیقی بھائی ہوتے ہیں کہ آپس میں سلام ودعا کرتے ہیں، باہمی میل جول اور ملاقات کرتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہتے ہیں، باہمی معاملات وتعلقات کو محبت وموانست اور رحم دلی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں، ہدایا وتحائف کا تبادلہ

کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد واعانت کرتے رہتے ہیں اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے حالات کی رعایت اوراس کے طورطریقوں کی پاسداری کرتا ہے، چنانچہ جب شخصی اور انفرادی سطح پر یہ ربط وتعلق ایک دوسرے کو جوڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہےتو سارے مسلمان ایک مضبوط اجتماعی حیثیت اور عظیم طاقت بن جاتے ہیں۔

اس حقیقت کواس ارشادگرامی میں ظاہر کیا گیا ہےاورتمام مسلمانوں کوایک بدن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جب کوئی بدن کا کوئی ایک عضودکھتا ہے،تو سارابدن اس دکھ سے متاثر ہوتا ہےاور محض ایک عضو میں تکلیف ہونے سے پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کوبھی چاہیے کہ ایک تن ہوجائیں اور پوری ملت اسلامیہ ایک جسم کے مانند ہوجائے کہ اگر کسی ایک بھی مسلمان کوکوئی گزند پہنچے، یاوہ کسی آفت ومصیبت میں گرفتار ہوتو سارے مسلمان اس کے دکھ ورنج میں شریک ہوں اورسب مل کراس کی تکلیف ومصیبت کودُور کرنے کی تدبیریں کریں،اسی مفہوم کوشیخ سعدیؒ نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگرند ❖ کہ درآفرینش زیک جوہرند
چوعضوے بدردآوردروزگار ❖ دگر عضوہا را نماند قرار

(مظاہر حق جدید: ۵/۵۲۶، ۵۲۷،مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند)

حضرت مولانا منظورنعمانی صاحب رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں:

’’اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات (یعنی مسلمانوں کے دکھ درد کا احساس)نہیں ہےتو سمجھ لیناچاہیے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے‘‘۔

(معارف الحدیث:۲/۱۳۶، دارالاشاعت کراچی)

❑❖❑

باب (۴)

اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک

اولاد خداوند قدوس کی جانب سے ایک عظیم تحفہ اور بڑی نعمت ہے، اس نعمت کا اصل احساس اور ادراک ان لوگوں کو ہوتا ہے جو تمام دنیاوی اسباب اختیار کرنے کے باوجود اس دولت سے محروم رہتے ہیں اور یہی وہ عظیم دولت ہے جس کے لیے والدین ہر طرح کی جانی اور مالی قربانی دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور ہر طرح کا لاڈ اور پیار دیتے ہیں۔ شریعت مطہرہ نے اولاد کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، ان کے ساتھ پیار و محبت اور شفقت و ہمدردی کا معاملہ کیا جائے اور ضرورت پڑنے پر ڈانٹ ڈپٹ بھی کی جائے، اچھی تعلیم و تربیت دی جائے جس سے کہ وہ آئندہ کی زندگی میں صحیح دینی رخ پر زندگی گزار سکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔ (ترمذی)

اور چوں کہ اولاد میں لڑکیوں کے ساتھ بعض والدین اچھا برتاؤ نہیں کرتے، انھیں بوجھ اور مصیبت سمجھتے ہیں اور بیٹی پیدا ہونے پر خوشی کے بجائے افسردگی اور افسوس کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہ حالت تو آج کی ہے؛ اور اسلام کی آمد سے پہلے تو عرب لڑکیوں کی پیدائش ہی کو گوارا نہیں کرتے تھے، وہ اتنے سخت دل تھے کہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچیوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے، یا زندہ اس کو زمین میں دفن کر دیتے تھے؛ اس لیے اسلام نے خصوصی طور پر لڑکیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کا تاکیدی حکم فرمایا ہے؛ چنانچہ ایک حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو ہی بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا تو اس کے لیے جنت ہے''۔ (ابوداؤد)

اس جیسی اور بہت سی روایات ہیں جن میں لڑکیوں کے ساتھ غلط رویہ اور غلط سلوک کرنے پر وعیدیں اور حسنِ سلوک پر بشارتیں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی اچھی تعلیم و تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث نمبر (۱۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ جَالِسٌ فَقَالَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ: إِنَّ لِيْ مِنَ الْوَلَدِ عَشَرَةً مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ. (رواه البخاري، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، رقم: ۵۹۹۷، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا، اس حال میں کہ اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو انھوں نے کہا: کہ میرے دس لڑکے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا (اور جب اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہیں) تو کہنے لگا: کیا تم لوگ بچوں کو چومتے ہو؟ ہم تو بچوں کو نہیں چومتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اس بات پر قادر ہوسکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے دل میں سے جس رحم وشفقت کو نکال لیا ہے اس کو روک دوں۔ (بخاری ومسلم)

مظاہر حق میں اس حدیث کے تحت لکھا ہوا ہے:

''حدیث کا مقصد بے رحمی و بے مروتی اور سخت دلی کے خلاف نفرت کا اظہار کرنا اور اس قسم کے لوگوں کو سختی کے ساتھ متنبہ کرنا ہے؛ نیز اس ارشاد گرامی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دلوں میں رحم وشفقت کے جذبات کا ہونا اللہ کا ایک بہترین عطیہ ہے اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اگر وہ کسی کے دل سے رحم

وشفقت اور محبت ومروت کے جذبات کو نکال دے تو پھر یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اس شخص کے دل کو ان جذبات کی دولت عطا کرے''۔

(مظاہر حق: ۵/۵۲۳، ادارہ اسلامیات دیوبند)

حدیث نمبر (۱۳)

عَنْ أَبِيْ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَداً مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ. (رواه الترمذي، باب ما جاء في أدب الولد، رقم الحديث: ۱۹۵۲، ط: بيت الأفكار الدولية)

ترجمہ: حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی تربیت سے بہتر نہیں دیا۔

فائدہ: یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لیے سب سے اعلیٰ اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ ان کی ایسی تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق وسیرت کے حامل ہوں۔

(معارف الحدیث: ۶/۲۷۵، دارالاشاعت کراچی پاکستان)

اسی طرح کی ایک دوسری حدیث کی تشریح میں صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں:

'''''ادب'' سے شرعی تربیت وتادیب مراد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کی بہت زیادہ اہمیت ہے؛ لہٰذا یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو صحیح تعلیم وتربیت سے بہرہ مند کریں اور صحیح تعلیم وتربیت وہی ہے جو دینی تعلیم، اسلامی اخلاق اور شرعی آداب وقواعد پر مشتمل ہو''۔ (مظاہر حق جدید: ۵/۵۴۱، ادارہ اسلامیات دیوبند)

حدیث نمبر (۱۴)

عَـنْ عَائِشَـةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنها قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ ابْتُلِيَ مِنْ هٰـذِهِ البَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْراً مِنَ النَّارِ. (رواه البخاري، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، رقم الحديث: ١٤١٨، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا سامان ہوں گی۔

فـائـده: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لیے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے ان کے پاس اس وقت صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اس بیچاری کو دے دی، اس نے اسی ایک کھجور کے دوٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیے اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر بعد رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا، اس پر آپ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا کہ: جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا سامان بنیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہوگا تو لڑکیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی اور وہ دوزخ سے بچادیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود

میں لیےان کے پاس آئی اورسوال کیا،تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دیدی اور ایک خود کھانے کے لیے اپنے منھ میں رکھنے لگی، بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا تو اس نے خودنہیں کھائی؛ بلکہ وہ بھی آدھی آدھی کرکے دونوں بچیوں کو دیدی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے اس طرزِعمل سے بہت متاثر ہوئیں اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لیے جنت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرمادیا۔

ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہواور راویوں کے بیان میں اختلاف ہوگیا ہو۔
(معارف الحدیث:۶/۷۷،دارالاشاعت کراچی پاکستان)

❑❖❑

باب (۵)

بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک

اللہ تبارک وتعالیٰ نکاح اور شادی کے ذریعہ دو اجنبی مرد اور عورت کے درمیان ایک نہایت پاکیزہ اور مقدس رشتہ قائم فرماتے ہیں، اس رشتے کا خاص مقصد یہ ہے کہ شوہر اور بیوی زندگی کی وہ راحتیں اور مسرتیں اور وہ سکون اور اطمینان حاصل کرسکیں جو اس خاص رشتے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور عفت و پاکدامنی کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزار سکیں؛ نیز نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی برقرار رہے جو خداوند خدوس کی مشیت ہے۔ یہ تمام چیزیں اسی وقت حاصل ہوسکتی ہیں جب شوہر اور بیوی کے درمیان باہمی الفت ومحبت ہو اور زیادہ سے زیادہ یگانگت ہو؛ اسی لیے شریعت نے میاں بیوی کے حقوق بیان کیے تاکہ وہ مودت ومحبت کی زندگی گزار سکیں۔

چونکہ اس رشتۂ ازدواج میں بعض مرتبہ عورتوں پر ظلم ہوجاتا ہے اور بعض نانہجار قسم کے لوگ اپنی بیوں پر سارا غصہ اتارتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں اور زمانہء جاہلیت (اسلام سے پہلے) میں تو عورتوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی، ان کا کوئی حق معاشرے میں نہیں سمجھا جاتا تھا اور جانوروں کا سا معاملہ ان کے ساتھ کیا جاتا تھا؛ اس لیے حضور ﷺ نے خاص طور پر بیویوں کے حقوق بیان کیے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کا تاکیدی حکم دیا؛ بلکہ خود حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سوک کا عملی نمونہ پیش کیا؛ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو معمولات کے بارے میں پوچھا گیا، تو انھوں نے بتایا کہ: وہ اپنے سر سے جوئے نکالتے ہیں، اپنی بکری کا دودھ دوہتے ہیں، اپنے کپڑے سی لیتے ہیں، اپنی خدمت خود کرلیتے ہیں، اپنے جوتے سی لیتے ہیں اور وہ تمام کام کرتے ہیں جو مرد اپنے گھر میں کرتے ہیں، وہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں یہاں تک کہ جب نماز کا وقت ہوجاتا تو چھوڑ کر چلے جاتے۔ (ترمذی، رقم: ۲۴۸۹) حتی کہ ایک حدیث میں فرمایا: تم میں سب اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ترمذی) اس باب میں بیویوں سے حسنِ سلوک سے متعلق احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

حدیث نمبر (۱۵)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنها قَالَتْ: قَالَ رسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي. (رواه الترمذي، باب فضل أزواج النبي ﷺ، رقم الحديث: ٣٨٩٥، ط: بيت الأفكار الدولية)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ اور میں اپنی بیویوں کے لیے تم سب میں سب سے اچھا ہوں۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اچھائی اور بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ آگے مسلمانوں کے واسطے اپنی اس ہدایت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی مثال بھی پیش فرمائی کہ خدا کے فضل سے میں اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہوں۔ (معارف الحدیث:۳۰۲/۶،دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۱۶)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَايَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ أَوْقَالَ غَيْرَهُ. (رواه مسلم، باب الوصية بالنساء، رقم الحديث: ٤٦٩)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن مرد کی یہ شان نہیں کہ اپنی مؤمنہ بیوی سے بغض رکھے، اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں حسنِ معاشرت کا ایک اہم اصول اور ضابطہ بتا دیا کہ ایک عورت میں اگر کوئی بری عادت ہے تو اس میں خوبیاں بھی ہوں گی، ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو یا کوئی خوبی نہ ہو، ایسا نہیں ہے

کہ کسی میں صرف برائیاں ہوں یا صرف اچھائیاں ہوں؛ لہٰذا برائیوں سے چشم پوشی اور درگذر کی جائے اور خوبیوں اور اچھائیوں کو دیکھا جائے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کے عادات واطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور لاتعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے؛ بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت کو سمجھے، یہ مؤمن شوہر کی صفت ایمان کا تقاضہ اور مؤمنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ اسی صورت حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً﴾. (النساء:١٩)

اور بیویوں کے ساتھ مناسب ومعقول طریقے سے گزران کرو، اگر وہ تمھیں ناپسند بھی ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت خیر وخوبی رکھی ہو''۔ (معارف الحدیث:٦/٣٠٢، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (١٧)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِستَوْصُوْا بِالْنِّسَاءِ خَيْرًا؛ فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الْضِلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ.

(رواه البخاري، باب الوصاة بالنساء، رقم الحديث: ٥١٨٦، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو؛ کیوں کہ عورت کی تخلیق پسلی

سے ہوئی ہے اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصہ میں ہوتی ہے، اگر تم ٹیڑھی پسلی کو بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یوں ہی اپنے حال پر چھوڑ دوگے تو پھر وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی؛ اس لیے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔

فائدہ: اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "إِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ" (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہوسکتا ہے اور اس کو مجازاتی تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہر صورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور شرست میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصہ میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں زیادہ تر ظہور اوپر کے حصہ میں ہوتا ہے جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر یوں ہی چھوڑ دوگے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہوسکے گا؛ بلکہ ہوسکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آجائے اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کرے گا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی خوشگواری کی وہ دولت حاصل نہ ہوسکے گی جو رشتۂ ازدواج کا خاص مقصد ہے؛ اس لیے مردوں کو چاہیے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں۔ اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہوسکے گی، یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے، اس پر کاربند رہو۔ "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا" سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور خاتمہ کلام پر پھر فرمایا: "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور دلداری کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔ (معارف الحدیث:۶/۳۰۰، دارالاشاعت)

باب(۶)

عزیز واقارب کے ساتھ حسنِ سلوک

بھائی بہن، چچا پھوپھی، ماموں خالہ وغیرہ بہت ہی معزز اور قابل احترام رشتے ہیں، ان رشتوں کوحسن وخوبی کے ساتھ برقرار رکھنا ہر ایک کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ایسا شخص بہت ہی باکمال ہے جوان رشتوں کو نبھائے اور ان کا پورا خیال رکھے۔ آج بھائی بھائی میں لڑائی ہے، بہنوں سے بھی لاتعلقی ہے بالخصوص ان کی شادی کے بعد بھائی وغیرہ حال خیریت پوچھنے کی زحمت گوارانہیں کرتے، چچا بھتیجے میں ان بن ہے، ماموں بھانجے میں رنجش ہے، کسی کو دوسرے کی فکر نہیں ہے۔ ایسے لوگ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی نظر میں بڑے ہی ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں اور معاشرے اور سماج میں بھی ان کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں ہے۔

شریعت کی نظر میں رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں متعدد مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، وہیں ﴿وَذِيْ الْقُرْبىٰ﴾ فرما کر عزیز واقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے بھی ایک حدیث میں ایک صحابی کے سوال پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمانے کے بعد درجہ بدرجہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ (بخاری) اور ایک حدیث میں تو آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ: قطع رحمی کرنے (رشتوں کو توڑنے) والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (بخاری) اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جن میں رشتہ داریوں کو جوڑنے اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث نمبر (۱۸)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا عَنِ النَّبِي ﷺ قَالَ: الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: فَمَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُه، وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ.

(رواه البخاري: باب من وصل وصله اللّٰه، رقم الحديث: ٥٩٨٩، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے رحمٰن سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی باہم قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے اسم پاک رحمٰن سے اور اس کی صفت رحمت سے خاص نسبت ہے اور وہی اس کا سرچشمہ ہے اور اسی لیے اس کا عنوان رحم مقرر کیا گیا ہے۔ اس خصوصی نسبت ہی کی وجہ سے عنداللہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو صلہ رحمی کرے گا (یعنی قرابت اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرے گا اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا) اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے وابستہ کرلے گا اور اپنا لے گا اور جو کوئی اس کے برعکس قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سے کاٹ دے گا اور دُور و بے تعلق کردے گا۔ اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں صلہ رحمی کی (رشتہ داروں اور اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک کی) کتنی اہمیت ہے اور اس میں کوتاہی کتنا سنگین جرم ہے اور کتنی بڑی محرومی ہے۔

(معارف الحدیث: ۶/ ۲۹۱، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۱۹)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِي ﷺ قَالَ: لَيْسَ الوَاصِلُ بِالمُكَافِيْ، وَلٰكِنَّ الوَاصِلَ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا.

(رواه البخاري: باب ليس الواصل بالمكافي، رقم: ٥٩٩١، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو برابری کا معاملہ کرے؛ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو دوسرے کے قطع رحمی کرنے پر بھی صلہ رحمی کرے۔

فائدہ: یعنی صلہ رحمی کرنے والا اور رشتوں کو جوڑنے والا درحقیقت وہ شخص ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے، یا کوئی اس سے بدسلوکی کرکے رشتہ کو ختم کرنے پر آمادہ ہو تو یہ شخص ایسے موقع پر انتقام لینے کے بجائے حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرکے حکمت کے ساتھ رشتہ کو برقرار رکھے اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرے، ایسا نہ ہو کہ اس کی بدسلوکی پر یہ شخص بھی رشتہ ختم کرلے اور بدسلوکی پر آمادہ ہوجائے، تو یہ شخص حقیقتاً رشتہ کو جوڑنے والا اور برقرار رکھنے والا ہے؛ کیونکہ عام حالات میں تو ہر کوئی رشتہ کی پاسداری کرسکتا ہے، یا صلہ رحمی کے بدلے میں بھی ہر ایک رشتہ کو نبھاتا ہے جس کو احسان چکانا کہتے ہیں؛ لیکن بدسلوکی اور بدخلقی کے موقع پر حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور رشتہ کی پاسداری کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، یہ شرفاء اور دل گردے والوں کی بات ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ معارف الحدیث میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس کے برعکس جب ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو فطرت

انسانی سے امید ہے کہ دیر سویر ان کی اصلاح ہوگی اور معاشرے میں صلہ رحمی کو فروغ ہوگا''۔ (معارف الحدیث:۶/۲۹۳، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۲۰)

عَنْ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ سَـرَّهُ أَنْ يُبْسَـطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. (رواه البخاري، باب من يبسط له في الرزق لصلة الرحم، رقم الحديث: ٥٩٨٥، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جوشخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے اس کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

فائدہ: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہلِ قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ورحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ عام واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جوزیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، آدمی کے لیے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز متاثر کرتی ہیں؛ لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح وطمانینت اور

خوش دلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہرلحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضلِ خداوندی ان کے شامل حال رہتا ہے۔ (معارف الحدیث:۲۹۲/۶،دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۲۱)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: لَايَدخُلُ الجَنَّةَ قَاطِعٌ.

(رواه البخاري، باب إثم القاطع، رقم الحديث: ٥٩٨٤، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: قطع رحمی کرنے والا (رشتہ داروں اور اہلِ قرابت کے ساتھ بُرا سلوک کرنے والا) جنت میں نہیں جائے گا۔

فائدہ: اس ایک حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کی تعلیم میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی (رشتہ داراوں کے ساتھ بدسلوکی اور بدخلقی) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہ جا سکے گا، ہاں جب اس کو سزا دے کر پاک کردیا جائے یا اس کو معاف کردیا جائے تو جنت میں جاسکے گا۔

(معارف الحدیث:۲۹۳/۶،دارالاشاعت کراچی)

باب (۷)

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

ایک انسان کا واسطہ جس طرح اپنے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن اور دیگر عزیز واقارب اور رشتہ داروں سے پڑتا ہے اور ان کی خوشی اور غمی سے وہ متاثر ہوتا ہے، اسی طرح اس کا تعلق اور واسطہ ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے؛ چنانچہ ہر انسان کی زندگی کی خوشگواری اور ناخوشگواری، نیز عادات واطوار پر پڑوسیوں اور آس پاس کے ماحول کا بہت اثر پڑتا ہے؛ اسی لیے حضور ﷺ نے اپنی تعلیمات میں پڑوسیوں کو بڑی عزت بخشی ہے اور ان ان کے ساتھ اچھا برتاؤ، حسنِ سلوک، ادب واحترام اور رعایت کا تاکیدی حکم فرمایا ہے؛ حتی کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کو معیارِ ایمان اور جزوِ ایمان قرار دیا ہے۔ اور ایک حدیث میں فرمایا کہ: پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (مسلم) اسی طرح آپ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے یہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اسے چاہیے کہ شوربہ زیادہ کردے، پھر اس میں سے کچھ پڑوسیوں کے لیے بھیج دے۔ (مشکوٰۃ) حضور ﷺ نے ان تعلیمات میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی ہے، گویا ہر پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم ہے خواہ اس کا مذہب اور دھرم کچھ بھی ہو۔

اس لیے ہمیں پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا ہے اور ان کی تکلیف اور مصیبت، دکھ اور درد اور خوشی اور غمی میں شریک ہونا ہے، یہی شریعت کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث نمبر (۲۲)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنها عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ. (رواه البخاري، باب الوصاءة بالجار، رقم الحديث: ٦٠١٤، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے حق کے بارے میں اس قدر وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام ورعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام مسلسل ایسے تاکیدی احکام لاتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کو بھی وارث بنا دیا جائے گا، یعنی حکم آ جائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد صرف یہ واقعہ کا بیان نہیں ہے؛ بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کے لیے یہ ایک نہایت مؤثر اور بلیغ ترین عنوان ہے۔

(معارف الحدیث: ۳۰۶/۶، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۲۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَايَدْخُلُ الجَنَّةَ مَنْ لَايُؤْمِنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ. (رواه مسلم، باب بيان تحريم إيذاء الجار، رقم الحديث: ٤٦)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوسکے گا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ

نہ ہو۔

فائدہ: نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکیداور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لیے آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مؤمن نہیں، یا یہ کہ وہ جنت میں نہ جاسکے گا۔ افسوس یہ ہے کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں میں اب کلامی بحثوں اور علمی موشگافیوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں، شاذ و نادر ہی اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں؛ حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا مقصد ومدعا یہی ہے۔ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے۔

(معارف الحدیث: ۶/۳۰۸، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۲۴)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهِ. (مشكاة المصابيح، باب الشفقة والرحمة على الخلق، رقم الحديث: ٤٩٩١، المكتب الاسلامي بيروت)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: وہ شخص (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ وہ مسلمان کمالِ ایمان کے درجہ کو کس طرح پہنچ سکتا ہے، جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بالکل بھوکا رہے، کسی کامل مسلمان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ جاننے کے باوجود کہ اپنے پڑوس میں فلاں شخص کو محتاجگی وافلاس اور شدت بھوک نے مضطرب وبے حال کر دیا ہے، وہ اس کی خبر نہ لے اور اس کو

اپنے کھانے میں شریک نہ کرے۔ ''اس کے پہلو میں'' اس جملہ کے ذریعہ گواس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسی کے حالات سے بے خبر ولا پرواہ ہو اس سے بڑا غافل اور لا پرواہ کون ہوسکتا ہے۔ (مظاہر حق جدید: ٥/٥٤٨، ادارہ اسلامیات دیوبند)

❑❖❑

باب (۸)

مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ حسنِ سلوک

مسکین، یتیم اور بیوہ معاشرے کے کمزور و لاچار اور بے سہارا لوگ سمجھے جاتے ہیں، ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، بالخصوص اسلام کی آمد سے قبل طاقتور کمزوروں پر ظلم وستم ڈھاتا اور ان کے حقوق دبا لیتا؛ لیکن اسلام ایسی نعمت ہے کہ اس کی آمد سے بے سہاروں کو سہارا ملا اور ان کو عزت ووقعت ملی؛ چنانچہ قرآن واحادیث میں متعدد مواقع پر کمزور وبے بس افراد کے ساتھ نرمی، شفقت اور حسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور جب تقسیم (میراث) کے وقت رشتے دار، یتیم اور مسکین آجائیں، تو تھوڑا بہت انھیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو۔ آگے فرماتے ہیں: بیشک جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں، وہ کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں۔ (سورۂ نساء) اسی طرح حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ (بخاری) نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کسی بیوہ عورت اور کسی مسکین حاجت مند کے لیے کوشش کرنے اور دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اجر وثواب میں) اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس شب بیدار بندے کی طرح ہے جو (رات کی عبادت میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس روزہ رکھنے والے بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔ (بخاری) ؎

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

حدیث (۲۵)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: السَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ: كَالْقَائِمِ لَايَفْتَرُ وَكَالصَّائِمِ لَايُفْطِرُ. (رواه البخاري، باب فضل النفقة على الأهل، رقم الحديث: ۵۳۵۳، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کسی بیوہ عورت (جس کے شوہر کی وفات ہوگئی ہو) اور کسی مسکین حاجت مند کے لیے کوشش کرنے اور دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اجر وثواب میں) اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس شب بیدار بندے کی طرح ہے جو (رات کی عبادت میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس روزہ رکھنے والے بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔

فائدہ: ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد وجانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں کٹتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابل رشک ہے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ ان لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت واعانت کے لیے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کریں۔ بلا شبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم ہیں۔

(معارف الحدیث: ۳۱۴/۶، دارالاشاعت کراچی)

حدیث(۲۶)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا شَكىٰ إِلىٰ النَّبِيِّ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ: اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ. (مجمع الزوائد، باب ما جاء في الأيتام والأرامل والمساكين: ۱٦۰/۸، ط: دارالكتاب العربي بيروت)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قساوت قلبی اور سخت دلی کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: یتیموں کے سر پر (شفقت کا) ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں کو کھلایا کرو۔

فائدہ: یتیموں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا اور مسکینوں حاجت مندوں کو کھانا کھلانا دراصل وہ اعمال ہیں جو دل کی دردمندی اور ترحم کے جذبے سے صادر ہوتے ہیں؛ لیکن اگر کسی کا دل دردمندی اور جذبۂ ترحم سے خالی ہو اور نرمی کے بجائے اس میں قساوت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ وہ عزت اور قوت ارادی سے کام لے کر یہ اعمال کرے، انشاءاللہ اس کے دل کی قساوت دردمندی سے بدل جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی طریقہءعلاج کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

(معارف الحدیث: ۳۱۶/۶، دارالاشاعت کراچی)

حدیث(۲۷)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ أَوْلِغَيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطىٰ وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. (رواه البخاري، باب اللعان، رقم الحديث: ۵۳۰٤، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب

قریب) ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا اوران کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمہ والی انگلی اوراس کے برابر کی بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو، بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اوراس مردمؤمن کے مقام میں ہوگا جو اللہ کے لیے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو (جیسے پوتا یا بھتیجا وغیرہ) یا پرایا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں پر یقین نصیب فرمائے اور سعادت میسر فرمائے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ارشادات میں ترغیب دی ہے۔ (معارف الحدیث:۶/۳۱۴، دارالاشاعت کراچی)

❑❖❑

باب(۹)

انسانیت کے ساتھ حسنِ سلوک

یہ مذہبِ اسلام کی خصوصیات وامتیازات میں سے ہے کہ اس نے صرف مسلمانوں اور اپنوں کی رعایت اوران کا پاس ولحاظ نہیں کیا ہے؛ بلکہ اس دنیا میں بسنے والی تمام انسانیت کے ساتھ حسنِ سلوک، اچھے برتاؤ، رحم وکرم اور شفقت کرنے کا حکم دیا ہے،خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو، کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو، کسی بھی ملک کا اور کسی بھی ذات کا ہو۔اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے، تمام انسانیت کے لیے ہدایت ورحمت بن کر آیا ہے اور حضور ﷺ کی بعثت قیامت تک آنے والے تمام افراد کے لیے ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰکَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ۱۰۷]

ترجمہ: ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس تاریخ سے بھری پڑی ہے کہ آپ ﷺ غیروں کے ساتھ بھی بہت اچھا رویہ اختیار کرتے تھے، ستانے والوں کو درگذر کردیتے، تکلیف دینے والوں کو معاف کردیتے اوران کے ساتھ برابرتاؤ کرنا تو دُور کی بات ان کے لیے ہدایت کی دعائیں فرماتے تھے۔فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے تمام جانی، مالی ہرطرح کے دشمنوں کو معاف کردیا، سفرِ طائف میں بُرا بھلا کہے جانے اور ظلم وستم سہنے کے باوجود اپنی کمزوری کا اعتراف کیا، عذاب والے فرشتے کو سزادینے سے منع کردیا اوران کے لیے ہدایت کی دعا کی۔آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے غیروں کے ساتھ اس طرح برتاؤ اور سلوک کی وجہ سے ایک بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی اور آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔(رواہ البخاری) اس حدیث میں ”الناس“ لفظ ہے جو مسلم غیر مسلم سب کو شامل ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

حدیث نمبر (۲۸)

عَنْ أَنَسٍ وَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالاَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: الخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَأَحَبُّ الْخلْقِ إِلَى اللّٰهِ مَنْ أَحسِنَ إِلٰى عِيَالِهٖ. (رواه الطبراني في الأوسط:٥/٣٥٦، رقم الحديث: ٥٥٤١، ط: دارالحرمين القاهرة)

ترجمہ: حضرت انس اور عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور ان کی ضروریات حیات کا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل وعیال کی روزی اور ان کی ضروریات کا مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

فائدہ: "عِیالٌ" کے معنی متعلقین کے ہیں اور کسی شخص کے متعلقین کا اطلاق ان افراد پر ہوتا ہے جن کی پرورش، جن کا کھانا پینا اور جن کی ضروریات زندگی کی تکمیل اس شخص کے ذمہ ہوتی ہے اور وہ ان کے اخراجات اپنے روپیہ پیسہ سے پورا کرتا ہے، لہٰذا اس معنی میں عیال کی نسبت غیر اللہ کی طرف تو مجازی ہے اللہ کی طرف حقیقی ہے؛ کیوں کہ رزاق مطلق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ خلاق مطلق اسی کی ذات ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِيْ الأَرْضِ إِلاَّ عَلىٰ اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ (مظاہر حق جدید:۵/۵۵۱، ادارہ اسلامیات دیوبند)

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل وعیال کے ساتھ احسان کرے اس کے لیے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی ان کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے"۔ (معارف الحدیث:۲/۱۲۲، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۲۹)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ: الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.

(رواه أبوداؤد، باب في الرحمة، رقم الحديث: ٤٩٤١، مكتبة المعارف الرياض)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والاتم پر رحم کرے گا۔

فائدہ: ''زمین والوں میں'' سارے جاندار داخل ہیں خواہ وہ حیوان ہوں یا انسان اور انسان بھی خواہ نیک ہوں یا بد؛ البتہ بدلوگوں پر رحم وشفقت کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کو ان کی بدی اور برائی سے روکا جائے، جیسا کہ اس حدیث سے ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم'' کی تشریح میں بتایا گیا تھا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو اس کو ظلم سے باز رکھا جائے، یا یہ کہ ''زمین والوں پر شفقت کرنے'' سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں پر رحم وشفقت کرو جو اس کے مستحق ہیں۔

''جو آسمان میں ہے'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا کمال قدرت اور جس کی سلطنت آسمان میں ہے، یا اس سے مراد ملائکہ ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم زمین والوں پر رحم وشفقت کرو تا کہ آسمان میں رہنے والے یعنی ملائکہ کا رحم تم پر ہو اور تمہارے حق میں ان کا رحم یہ ہے کہ وہ تمھارے دشمنوں اور ایذاء پہنچانے والی مخلوق جیسے جنات وشیاطین اور شریر انسانوں سے تمھاری حفاظت کریں اور بارگاہ کبریائی میں تمھارے لیے دعاء واستغفار اور طلب رحمت کریں۔ (مظاہر حق: ۵/۵۳۶، ادارہ اسلامیات دیوبند)

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لیے رحم ہے۔اس حدیث میں

زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں''۔

(معارف الحدیث:۲/۱۱۳، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۳۰)

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَايَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَايَرْحَمُ النَّاسَ. (رواه البخاري، باب قل ادعوا اللّٰه أو ادعوا الرّحمٰن، رقم الحديث: ٧٣٧٦، مكتبة البشرى باكستان)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ اللہ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لیے رحم نہیں ہے اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔

فائدہ: اس حدیث میں ''الناس'' کا لفظ عام ہے جو مؤمن وکافر اور متقی وفاجر سب کو شامل ہے اور بلا شبہ رحم سب کا حق ہے؛ البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحم دلی کا سب سے بڑا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو اور ہم اس سے اس کو بچانے کی فکر کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحم دلی کا یقیناً تقاضہ ہے اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔ (معارف الحدیث:۲/۱۱۳، دارالاشاعت کراچی)

❑❖❑

باب (۱۰)

خدام، ملازمین اور مزدوروں کے ساتھ حسنِ سلوک

خدام، ملازمین اور مزدوروں کا طبقہ دنیا میں سب سے کمزور اور لاچار طبقہ سمجھا جاتا ہے، ہر کوئی ان پر بآسانی ظلم وستم ڈھاتا ہے، ان کو ستاتا ہے، ان کا حق مارتا ہے، ان کو نظر انداز کرتا ہے اور ان کی کمزوری کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور یہ اپنی بے بسی کی وجہ سے نہ تو خود اپنے حقوق کی لڑائی لڑ سکتے ہیں اور نہ کوئی ان کے حق میں آواز اٹھاتا ہے؛ لیکن قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ آپ (ﷺ) نے اس طبقے کا بھی خیال رکھا اور انسانیت کو ان کے حقوق بھی کی رعایت کی تلقین کی اور ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک اور اچھا رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دی؛ بلکہ آپ صلی اللہ علی وسلم نے ایک صحابی کے سوال پر (کہ میں خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں) یہاں تک فرمایا کہ: ''روزانہ ستر مرتبہ معاف کرو'' (رواہ الترمذي، رقم: ۱۹۴۹)۔ آپ ﷺ نے اس قدر تاکید کے ساتھ معاف کرنے کا حکم اسی لیے دیا کہ یہ قوم معاشرے میں بہت ہی زیادہ مظلوم ہے اور اس کی مثال خود آپ ﷺ نے اپنی ذاتی زندگی سے پیش کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے دس سال حضور ﷺ کی خدمت کی، میں نوعمر لڑکا تھا اس لیے میرے سارے کام حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق نہیں ہو پاتے تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے کبھی اف تک نہیں فرمایا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا، یا یہ کیوں نہیں کیا۔ (رواہ ابوداؤد، رقم: ۶۱۱۶) یقیناً اس طرح کی مثال کائنات کا نبی ہی پیش کرسکتا ہے جو ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آیا اور آپ ﷺ کی آمد کے بعد ہی غلاموں کو یہ درجہ ملا کہ وہ دین ودنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے ؎

سلام اس پر غلاموں کو بھی بخشی جس نے سلطانی
سلام اس پر دیا رتبہ غلاموں کو بھی عزت کا

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے ماتحتوں، ملازمین، مزدوروں اور خدام کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے اور ان کے حقوق کی پاسداری کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث نمبر (۳۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰی النَّبِيِ ﷺ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کَمْ أَعْفُو عَنِ الخَادِمِ؟ فَصَمَتَ عَنْہُ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کَمْ أَعْفُو عَنِ الخَادِمِ؟ قَالَ: کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً. (رواہ الترمذي، باب ما جاء في العفو عن الخادم، رقم الحدیث: ۱۹۴۹، ط: بیت الأفکار الدولیة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں (اپنے) خادم کی غلطی کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ انہوں نے پھر وہی عرض کیا: یارسول اللہ! میں (اپنے) خادم کی غلطی کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: روزانہ ستر مرتبہ۔

فائدہ: سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے، تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔ (معارف الحدیث: ۱۲۲/۲، دارالاشاعت کراچی)

دوسری روایت میں ہے کہ دو مرتبہ سوال کرنے پر حضور ﷺ خاموش رہے، تیسری مرتبہ میں فرمایا: روزانہ ستر مرتبہ معاف کرو۔

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پہلی اور دوسری دفعہ جو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار فرمائی اس کی وجہ غالبًا یہ تھی آپ نے سوال کرنے والے صاحب کو اپنی خاموشی سے یہ تاثر دینا چاہا کہ یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں ہے، اپنے زیردست خادم اور غلام کا قصور معاف کر دینا تو ایک نیکی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہوتی ہے؛ اس لیے جہاں تک ہو سکے معاف ہی کیا جائے؛ لیکن جب

دو دفعہ کے بعد تیسری دفعہ بھی ان صاحب نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً" یعنی اگر بالفرض ہر روز صبح سے شام تک ستر مرتبہ قصور کرے تب بھی اسے معاف ہی کردو۔ ظاہر ہے کہ یہاں "سَبْعِيْنَ" سے ستر کا خاص عدد مراد نہیں ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارا زیردست غلام یا نوکر بار بار غلطی اور قصور کرے تو انتقام نہ لو، معاف ہی کردو۔

اس عاجز کے نزد معافی کے اس حکم کا مطلب یہی ہے کہ اس کو انتقاماً سزا نہ دی جائے؛ لیکن اگر اصلاح وتادیب کے لیے کچھ سرزنش مناسب سمجھی جائے تو اس کا پورا حق ہے اور اس حق کا استعمال کرنا اس ہدایت کے خلاف نہ ہوگا؛ بلکہ بعض اوقات اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا"۔

(معارف الحدیث: ۶/۳۲۱، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۳۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَعْطُوا الْأَجِيْرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ. (رواه ابن ماجة، باب أجر الأجراء، رقم الحديث: ٢٤٤٣، ط: دار احياء الكتب العربي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دیا کرو۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ چوں کہ مزدور طبقہ بڑی محنت کرتا ہے، خون پسینہ بہاتا ہے اور مالک کی کڑوی کسیلی باتیں سنتا ہے پھر وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے، نیز اس کی کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے بہت سے لوگ مزدوری دینے میں ٹال مٹول کرتے ہیں؛ اس لیے اس حدیث میں حضور ﷺ نے مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی مزدوری فوراً ادا کی جائے، اس میں کسی قسم کا ٹال

مٹول اور تاخیر نہ کی جائے اور اس کی کمزوری کا فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ کتنی اہم بات ہے جس میں بہت سے لوگ کوتاہی کرتے ہیں اور مزدوروں کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین ۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

حدیث نمبر (۳۳)

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوْكَهُ ظُلْمًا أُقِيْدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (حلية الأولياء: ٣٧٨/٤، ط: دارالكتاب العربي بيروت)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آقا اپنے غلام کو ناحق مارے گا، قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا۔

فائدہ: چوں کہ غلام، نوکر، مزدور اور خادم پر لوگ ظلم کرتے ہیں، ان کو بلا وجہ مارتے ہیں، ان کو دبا کر رکھتے ہیں اور اس کو گناہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ اپنا حق سمجھتے ہیں؛ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا: جو آقا اپنے غلام کو ناحق مارے گا، قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے اس حدیث میں متنبہ کر دیا ہے کہ غلام اور نوکر تمہاری جائیداد نہیں ہیں کہ تم ان پر ظلم کرو، ان کے ظلم کی سزا قیامت کے دن مل کر رہے گی۔

حدیث نمبر (۳۴)

عَنْ أنس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ بِالْمَدِيْنَةِ وَأَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ أَمْرِيْ كَمَا يَشْتَهِيْ صَاحِبِيْ أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ، مَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِيْ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا، أَمْ أَلَّا فَعَلْتَ هٰذَا. (رواه أبوداؤد، باب في الحلم وأخلاق النّبي ﷺ، رقم الحديث: ٤٧٧٤، مكتبة المعارف الرياض)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے دس سال مدینہ میں حضور ﷺ کی خدمت کی، میں نوعمر لڑکا تھا؛ اس لیے میرے سارے کام حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق نہیں ہو پاتے تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے کبھی اف تک نہیں فرمایا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا، یا یہ کیوں نہیں کیا۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے خادم تھے، بچپنے کی عمر تھی جس کی وجہ سے بہت سے کام حضور ﷺ کی منشا کے مطابق نہیں ہوتے تھے اور اس طرح دس سال خدمت کی؛ لیکن آپ ﷺ نے اپنے اعلیٰ حسنِ اخلاق اور عمدہ حسنِ سلوک کی بنیاد پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کبھی بھی غلطیوں پر پوچھ گچھ نہیں کی اور نہ گرفت کی؛ بلکہ تمام غلطیوں کو نظر انداز کر دیا۔ یہ ہیں اخلاق اس ہستی کے جس کے ہم نام لیوا ہیں اور جس کی اتباع ومحبت کا ہم دعوی بھرتے ہیں؛ لیکن ہماری زندگی اس سے خالی نظر آتی ہے اور ہم اخلاق سے کوسوں دُور ہیں۔ع

سلام اس پر کہ جس کا خلق عالی ہے مثالی ہے

❑❖❑

باب(۱۱)

جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک

اچھے برتاؤ اور حسنِ سلوک کی اسلام میں اتنی اہمیت ہے کہ جانوروں کے حقوق کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور ان کے ساتھ بھی اچھا رویہ اپنانے کی تاکید اور ترغیب وارد ہوئی ہے اور یہ اس لیے کہ انسانوں پر رحم اور شفقت ومہربانی تو دل میں آ ہی جاتی ہے؛ لیکن معاشرہ میں لوگ جانوروں کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تو مار کھانے کے لیے ہے، دھکے کھانے کے لیے ہے، اس پر جیسے چاہیں سواری کریں اور جتنا چاہیں سامان لادیں، اسے قابلِ رحم اور لائقِ شفقت سمجھا ہی نہیں جاتا ہے۔ یقیناً جانوروں پر سواری اور بار برداری یا ان سے دوسرے کام لینے کی اجازت ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں تکلیف پہنچائی جائے، ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام لیا جائے؛ چنانچہ احادیث میں جانوروں کے ساتھ بھی رحم وکرم اور حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کو اچھے سے کھلایا پلایا جائے، ان کی دیکھ ریکھ کی جائے اور ان کو ایذاء اور تکلیف پہنچانے سے منع کیا گیا ہے کہ ان کو بھوکا نہ رکھا جائے، بلاوجہ مارا نہ جائے، زیادہ بوجھ نہ لادا جائے وغیرہ۔ الغرض جانور بھی حضور ﷺ کی شفقت ومہربانی سے محروم نہ رہے۔

حدیث نمبر (۳۵)

عَنْ سَهْلِ بْنِ الحَنْظَلِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ البَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً. (رواه أبوداؤد، باب ما يكره من الخيل، رقم الحديث: ٢٥٤٨، مكتبة المعارف الرياض)

ترجمہ: حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ (بھوک کی وجہ سے) اس کی کمر سے لگ گیا تھا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو ان بے زبان جانوروں کے معاملے میں خدا سے ڈرو! ان پر سوار ہو تو ایسی حالت میں جب یہ ٹھیک ہوں (یعنی ان کا پیٹ بھرا ہوا ہو اور بیمار وغیرہ نہ ہوں) اور ان کو چھوڑو ایسی حالت میں جب یہ ٹھیک ہوں۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جانوروں کی بھی بھوک پیاس اور صحت وغیرہ کا لحاظ کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ جانور بھوک پیاس یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے چلنے کے قابل نہ ہو، پھر بھی زبردستی اس پر سواری کی جائے یا سامان لاد دیا جائے؛ بلکہ اسے کھلا پلا کر پھر سواری کی جائے۔ اسی طرح جب جانور کی سواری سے فارغ ہوں تو بھی اسے چارہ وغیرہ کھلا دینا چاہیے۔

حدیث (۳۶)

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَى النَّبِيُّ ﷺ حِمَارًا قَدْ وُسِمَ فِيْ وَجْهِهِ فَقَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا. رواه أحمد في مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ١٤١٦٤، ط: مؤسسة الرسالة)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ دے کر نشان بنایا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے

فرمایا: وہ شخص خدا کی رحمت سے دُور اور محروم ہے جس نے یہ (بے رحمی کا) کام کیا۔

فائدہ: دنیا کے بہت سے حصوں میں گھوڑوں گدھوں جیسے جانورں کی پہچان کے لیے ان کے جسم کے کسی حصہ پر گرم لوہے سے داغ دے کر نشان بنا دیا جاتا تھا، اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے؛ لیکن اس مقصد کے لیے چہرے کو داغنا (جو جانور کے جسم میں سب سے زیادہ حساس اور نازک عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گنوار پنے کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغا گیا تھا تو آپ ﷺ کو سخت دکھ ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا: **"لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ فَعَلَ ھٰذَا"** (یعنی اس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا) ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور اور بے زاری کا کلمہ تھا جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کے لیے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا۔

(معارف الحدیث: ۶/ ۳۳۴، ۳۳۵، دارالاشاعت)

حدیث (۳۷)

عَنْ بْنِ عُمَرَ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُماَ قَالَا: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: عُذِّبَتْ اِمْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ أَمْسكَتْهَا حتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَاتُرْسِلُهَا فَتَأْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْأَرْضِ. (رواه مسلم، باب تحريم قتل الهرة، رقم الحديث، ٢٢٤٢)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک (ظالم) عورت کو ایک بلی کو (نہایت ظالمانہ طریقہ سے) مار ڈالنے کے جرم میں عذاب دیا گیا۔ اس نے اس بلی کو بند کرلیا، پھر نہ تو خود اسے کچھ کھانے دیا اور نہ تو اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑوں مکوڑوں سے اپنا پیٹ بھر لیتی۔ (اس طرح اسے بھوکا تڑپا تڑپا کے مار ڈالا، اس کی سزا اور پاداش میں وہ عورت عذاب میں ڈالی گئی)

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی اور آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشمِ خود مبتلاء عذاب دیکھا۔ بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بے دردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا ہے۔ **اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ!** (معارف الحدیث:۲/۱۱۶، دارالاشاعت کراچی)

❑❖❑

باب (۱۲)

بدخلقی کی مذمت

جس طرح تمام انسانیت کے نزدیک حسنِ اخلاق کی اہمیت وعظمت مسلم ومتفق علیہ امر ہے، اسی طرح بدخلقی کی بُرائی ومذمت بھی ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے؛ کیوں کہ بدخلقی اور بدسلوکی سے تمام بُرائیاں: نفرت وعداوت، اختلاف وانتشار باہمی چپقلش ورنجش وغیرہ جنم لیتی ہیں، بدخلق انسان معاشرے اور سماج سے کٹ جاتا ہے، لوگ اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں گویا اخلاق سے عاری ہوجانے کے بعد انسان لوگوں کی نظر میں عیب دار ہوجاتا ہے، اس کے پاس کوئی قابلِ قدر شی اور کوئی ایسی امتیازی صفت باقی نہیں رہتی جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرے، یعنی وہ اس بری صفت کی وجہ سے انسانوں کی صف میں شمار کیے جانے کا مستحق نہیں رہ جاتا؛ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص نرمی کی صفت سے محروم ہوگیا وہ دنیا وآخرت کی بھلائی سے محروم ہوگیا اور بداخلاق شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا (مشکوٰۃ) اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: رحم (خلقِ خدا پر شفقت ومہربانی کا جذبہ) کسی کے دل سے نہیں نکالا جاتا مگر بدبخت کے دل کو اس سے خالی کردیا جاتا ہے۔ گویا بداخلاق انسان شقی اور بدبخت ہے۔ اللہ تعالیٰ بدخلقی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

حدیث نمبر (۳۸)

عَنْ جَرِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ. (رواه مسلم، باب فضل الرفق، رقم: ۲۵۹۲)

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نرمی (کی صفت) سے محروم رہا وہ ساری بھلائی سے محروم رہا۔

فائدہ: یعنی کوئی شخص اگر نرمی اور مہربانی کی صفت سے محروم ہے تو گویا اس کے اندر خیر ہے ہی نہیں، وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہے اور یہ کتنی بد نصیبی کی بات ہے کہ کوئی شخص بد خلقی کی وجہ سے تمام بھلائیوں سے محروم ہو جائے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو شخص اس سے محروم رہا، گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا، یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سر چشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے؛ لہٰذا جو شخص اس سے محروم رہا، وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہے گا''۔ (معارف الحدیث: ۲/۱۴۳، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۳۹)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ. (رواه الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في اللعنة، رقم الحديث: ۱۹۷۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، اور نہ بدگو

اور نہ گالی بکنے والا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوج نہ نکلے۔ (معارف الحدیث:۲/۱۴۳، دارالاشاعت کراچی)

حدیث نمبر (۴۰)

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَايَدخُلُ الْجَنَّةَ الجَوّاظُ وَلَاالجَعْظَرِيُّ. (رواه أبو داؤد، باب في حسن الخلق، رقم الحديث، ٤٨٠١، مكتبة المعارف الرياض)

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سخت گو اور درشت خو (سخت طبیعت والا) آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔

فائدہ: بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''جوّاظ'' اور جعظری'' دونوں کے ایک معنی ہیں اور بعض روایتوں سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جواظ کے معنی متکبر کے ہیں اور جعظری کے معنی بد خلق؛ لیکن ان سب روایتوں کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ معنی ومفہوم میں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور دونوں کے درمیان زیادہ فرق وتفاوت نہیں ہے۔

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ جواظ اور جعظری سے مراد وہ شخص ہے جو سخت دل اور بد خلق ہو (یعنی وہ شخص جس کے باطنی احوال کی گمراہیوں اور عادات واطوار کی خرابیوں نے اس کو شقی القلب بنادیا ہو کہ نہ اس پر کسی وعظ نصیحت کا اثر ہوتا ہو اور نہ اس کو خدا کا خوف برائیوں سے روکتا ہو؛ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا) اس کا قرینہ وہ روایت ہے جس کو خطیب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کے لیے توبہ ہے؛ مگر بد خلق (بدچلن اور بد اطوار شخص) کے حق میں توبہ کارگر نہیں؛ کیوں کہ وہ ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس سے بڑے دوسرے گناہ میں مبتلا

ہوجاتا ہے (اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بدچلنی اور بداطواری اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔)

"**لايَدخُلُ الْجَنَّةَ الجَوّاظُ وَلاالجَعْظَرِيُّ**" میں جعظري سے پہلے لا زائدہ لانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص ان دو بری خصلتوں میں کسی بھی ایک خصلت میں مبتلا ہوگا اس کو جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ شخص منافقین میں سے ہوگا تو اس کو جنت میں داخل نہ کیا جانا مطلق معنی پر محمول ہوگا اور اگر اس شخص کا تعلق مؤمنین سے ہوگا تو پھر کہا جائے گا کہ اس کے حق میں ان الفاظ کہ "وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ ابتداءً جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(مظاہر حق: ۶۰۲/۵، ۶۰۳، ادارہ اسلامیات دیوبند)

حدیث (۴۱)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَاالْقَاسِمِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ ﷺ يَقُوْلُ: "لاتُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ." (رواه أبوداؤد، باب في الرحمة، رقم الحديث: ٤٩٤٢)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صاق ومصدوق ہیں، یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: رحم (خلقِ خدا پر شفقت ومہربانی کا جذبہ) کسی کے دل سے نہیں نکالا جاتا؛ مگر بدبخت کے دل کو اس سے خالی کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بدبخت اور بدنصیب ہے؛ کیوں کہ کسی بدبخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔ (معارف الحدیث: ۱۱۷/۲، دارالاشاعت کراچی)

تمت بالخير بحمد الله وتوفيقه

تکبیرِ تشریق کی شرعی حیثیت

اِس رسالہ میں تکبیرِ تشریق کا ثبوت، ایک سے زائد مرتبہ پڑھنے کا علمی جائزہ اور تکبیرِ تشریق کے مسائل واحکام مدلل ومفصّل ذکر کیے گئے ہیں

تقریظ

نمونۂ اسلاف

حضرت مولانا ومفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

تالیف

محمد عبید اللہ قاسمی بہرائچی

استاذِ فقہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

ڈاک اور ٹرانسپورٹ سے کتابیں منگوانے کے لیے رابطہ کریں

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

Maktaba Sautul Quran Deoband

9358911053, Ph. 01336-223460